عالمی مجلس تحفظ ختم نبوۃ کا ترجمان

ہفت روزہ

ختم نبوۃ

INTERNATIONAL URDU WEEKLY
KHATM-E-NUBUWWAT
KARACHI PAKISTAN

جلد: ۴۳ | ۱۹تا۲۵/شعبان المعظم ۱۴۴۵ھ مطابق یکم تا۷/مارچ ۲۰۲۴ء | شمارہ: ۹

حضرت ابوھریرہ دوسیؓ

سبق پھر پڑھ صداقت کا

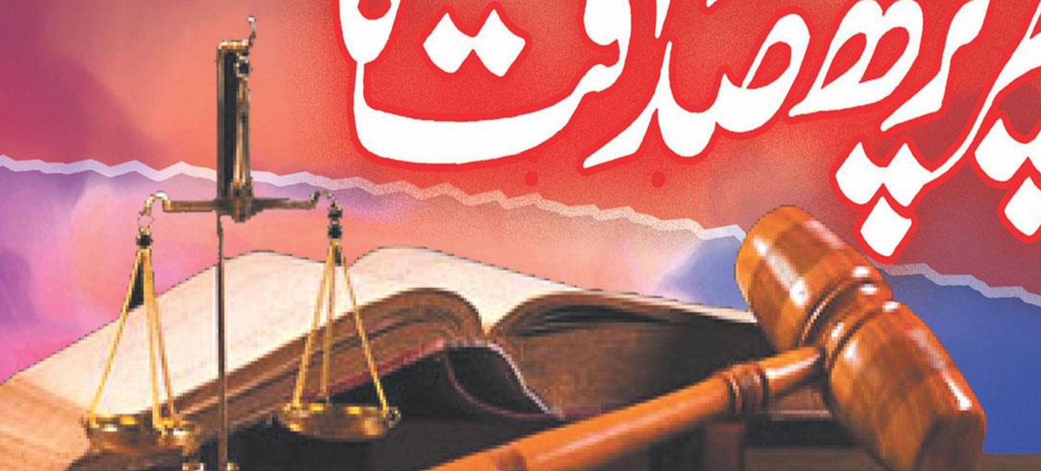

کھانا کھانے کے چند آداب

امام العصر حضرت مولانا
علامہ انور شاہ کشمیریؒ

Website: http://www.khatm-e-nubuwwat.org
Email: editorkn@yahoo.com
Website: http://www.khatm-e-nubuwwat.info
http://www.khatm-e-nubuwwat.com

تعویذ گنڈوں اور جھاڑ پھونک کا شرعی حکم

س:......تعویذ گنڈوں اور جھاڑ پھونک کا شرعی حکم کیا ہے؟ کیا یہ جائز ہے یا نہیں؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ حدیث مبارکہ میں اس کی ممانعت ہے اور اس کو شرک کہتے ہیں، کیا یہ بات صحیح ہے؟

ج:......کسی بھی جائز مقصد کے لئے تعویذ لکھنا یا لکھوانا اور اسے استعمال کرنا جائز ہے۔ اسی طرح جھاڑ پھونک کرنا یا کروانا اور دم وغیرہ یا کوئی وظیفہ کرنا جائز ہے۔ بشرطیکہ اس کے لئے قرآنی آیات یا ادعیہ ماثورہ یا اللہ تبارک وتعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ یا ایسے کلمات استعمال کئے جائیں، جو شرک کے شائبہ سے بھی خالی ہوں یا وہ ایسے کلمات نہ ہوں کہ جن کے معنی معلوم ہی نہ ہوں، کیونکہ ایسے کلمات کا استعمال جائز نہیں۔

اس موضوع پر حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم العالیہ نے ''آسان تفسیر قرآن'' میں مدلل کلام فرمایا ہے، چنانچہ حضرت مدظلہ تحریر فرماتے ہیں: ''اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے کسی نام کو پڑھے یا اللہ تبارک وتعالیٰ کی حمد وثنا کے کلمات کہے یا قرآن کریم کی کسی آیت کو پڑھ کر یا حدیث مبارکہ میں سے کسی دعا کو پڑھ کر دم کرے یا جھاڑ پھونک کرے تو یہ بالکل جائز ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت بھی ہے، جیسا کہ احادیث میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعض اوقات کسی بیمار پر جھاڑ پھونک اور دم کیا کرتے تھے، اگر کسی بیمار کو آپ جھاڑ کرتے تو فرماتے:

''بسم اللہ ارقیک من کل شیئ یؤذیک، من شر کل نفس او عین حاسد، اللہ یشفیک باسم اللہ ارقیک۔''

(صحیح مسلم باب الطب والمریض والرقی)

ترجمہ: ''میں اللہ کے نام سے آپ پر دم کرتا ہوں، ہر اس چیز سے جو آپ کو اذیت پہنچائے، ہر ایک کے شر سے یا حسد کرنے والے کی نظر سے، اللہ آپ کو شفا عطا فرمائے، میں اللہ کے نام سے دم کرتا ہوں۔''

اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کسی مریض کے پاس جاتے یا کوئی مریض آپ کے پاس لایا جاتا (دعا اور دم کے لئے) تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دعا پڑھتے:

''اذهب البأس رب الناس اشف وانت الشافی، لا شفاء الا شفاؤک، شفاء ألا یغادر سقما۔''

(صحیح بخاری، کتاب الطب، باب دعاء العائد للمریض)

ترجمہ: ''اے انسانوں کے مالک! تکلیف دور کردے (اور شفا دے دے، بے شک) تو ہی شفا دینے والا ہے، تیری شفا کے علاوہ اور کوئی شفا دینے والا نہیں ہے، ایسی شفا دیدے کہ بیماری بالکل نہ رہے۔''

اسی طرح ایک حدیث میں یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے گھر والوں میں سے کسی پر دم فرماتے تو اپنا داہنا ہاتھ پھیرتے اور یہی دعا پڑھتے تھے۔ (صحیح بخاری کتاب الطب، باب رقیۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

(باقی صفحہ 27 پر)

ہفت روزہ ختم نبوۃ

مجلس ادارت

صاحبزادہ مولانا عزیز احمد، علامہ احمد میاں حمادی،
مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی، مولانا قاضی احسان احمد

جلد:۴۳ ۱۹ تا ۲۵ رشعبان المعظم ۱۴۴۵ھ مطابق یکم تا ۷ رمارچ ۲۰۲۴ء شمارہ:۹

سرپرست
حضرت مولانا حافظ ناصرالدین خاکوانی مدظلہ
مولانا سیّد سلیمان یوسف بنوری

مدیر اعلیٰ
مولانا عزیز الرحمٰن جالندھری

نائب مدیر اعلیٰ
مولانا اللہ وسایا

مدیر
مولانا محمد اعجاز مصطفیٰ

معاون مدیر
عبداللطیف طاہر

قانونی مشیر
حشمت علی حبیب ایڈووکیٹ
منظور احمد میؤ ایڈووکیٹ

سرکولیشن منیجر
محمد انور رانا

تزئین وآرائش:
محمد ارشد خرم، محمد فیصل عرفان خان

اس شمارے میں!

علماء کرام...... متاعِ ایماں کے محافظ	۵	محمد اعجاز مصطفیٰ
سبق پھر پڑھ صداقت کا، عدالت کا....	۷	ڈاکٹر سراج الدین ندوی
بابری مسجد.... تاریخی پس منظر (۳)	۱۰	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
حضرت ابوہریرہ دوسی رضی اللہ عنہ	۱۳	ڈاکٹر عبدالرحمٰن رأفت پاشا رحمہ اللہ
کھانا کھانے کے چند آداب	۱۷	مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ
اسمارٹ فون.... دورِ حاضر کا عظیم فتنہ (۴)	۱۹	حضرت فیروز عبداللہ میمن مدظلہ
رزق کی تلاش اور اسلام	۲۳	سہیل بشیر کار
امام العصر حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ	۲۵	مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی

بیاد

امیر شریعت مولانا سیّد عطاء اللہ شاہ بخاریؒ
خطیب پاکستان مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ
مجاہد اسلام حضرت مولانا محمد علی جالندھریؒ
مناظر اسلام حضرت مولانا لال حسین اخترؒ
محدث العصر حضرت مولانا سیّد محمد یوسف بنوریؒ
خواجہ خواجگان حضرت مولانا خواجہ خان محمدؒ
فاتح قادیان حضرت اقدس مولانا محمد حیاتؒ
مبلغ اسلام حضرت مولانا عبدالرحیم اشعرؒ
مجاہد ختم نبوت حضرت مولانا تاج محمودؒ
ترجمان ختم نبوت مولانا محمد شریف جالندھریؒ
جانشین حضرت بنوری حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰنؒ
شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ
حضرت مولانا سیّد انور حسین نفیس الحسینیؒ
شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالمجید لدھیانویؒ
شیخ الحدیث حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندرؒ
شہید ختم نبوت حضرت مولانا مفتی محمد جمیل خانؒ
شہید ناموس رسالت مولانا سعید احمد جلال پوریؒ

زرِتعاون

امریکا، کینیڈا، آسٹریلیا: ۱۰۰ ڈالر، یورپ، افریقا: ۸۰ ڈالر، سعودی عرب،
متحدہ عرب امارات، بھارت، مشرقِ وسطیٰ، ایشیائی ممالک: ۷۰ ڈالر
فی شمارہ: ۲۵ روپے، ششماہی: ۶۰۰ روپے، سالانہ: ۱۲۰۰ روپے

رابطہ دفتر: جامع مسجد باب الرحمت (ٹرسٹ)
ایم اے جناح روڈ کراچی، فون: ۳۲۷۸۰۳۳۷ فیکس: ۳۲۷۸۰۳۴۰

Jama Masjid Bab-ur-Rehmat (Trust)
Old Numaish M.A.Jinnah Road Karachi
Ph:32780337, Fax:32780340

مرکزی دفتر: حضوری باغ روڈ، ملتان
فون: ۰۶۱-۴۷۸۳۴۸۶
Hazori Bagh Road Multan
Ph:061-4783486

لندن آفس:
35,Stockwell Green
London, SW9 9HZ U.K
Ph:0207-737-8199

ناشر: عزیز الرحمٰن جالندھری مطبع: القادر پرنٹنگ پریس طابع: سیّد شاہد حسین مقام اشاعت: جامع مسجد باب الرحمت ایم اے جناح روڈ کراچی

دورِ نبوت کے تاریخ وار حالات و واقعات

عہدِ نبوت کے ماہ و سال

تالیف: علامہ مخدوم محمد ہاشم سندھی ٹھٹھوی رحمۃ اللہ علیہ
ترجمہ: حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمۃ اللہ علیہ

قسط:۱۷ فصل:.... ۱۱ ہجری کے سرایا

یہاں ان سرایا کا ذکر ہوگا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں ہوئے اور بہت کم ان سرایا کا بھی ذکر آئے گا جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں ہوئے۔

۱:...سریہ جریر بن عبداللہؓ:...اس سال حضرت جریر بن عبداللہ البجلی رضی اللہ عنہ کا سریہ ''ذو الخَلَصَہ'' کو منہدم کرنے کے لئے روانہ فرمایا۔

ذی الخَلَصَہ:...خاء معجمہ، لام اور صاد مہملہ، تینوں کے فتحہ کے ساتھ، اس کے بعد تائے تانیث۔ یہ ایک مکان تھا جس میں قبیلہ خثعم اور حضرت جریر رضی اللہ عنہ کی قوم بنو بُجَیْلَہ کا بت نصب تھا، یہ مکان کعبہ شریف کی عداوت کی بنا پر تعمیر کیا گیا تھا، تاکہ لوگوں کی توجہ کعبہ مشرفہ سے ہٹا کر ذُوالخَلَصَہ کی طرف پھیر دی جائے، وہ لوگ اس کو ''کعبہ یمانیہ'' کا نام دیتے تھے، اور مکہ مکرّمہ کے کعبہ شریف کو ''کعبہ شامیہ'' کہتے تھے۔

زرقانی ''شرح مواہب'' میں فرماتے ہیں: ''حضرت جریر رضی اللہ عنہ کا بھیجنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حجۃ الوداع سے مدینہ طیبہ واپسی کے بعد ہوا، اور یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال سے تقریباً دو مہینے پہلے کا واقعہ ہے۔'' زرقانی کے اس قول کے مطابق حضرت جریر رضی اللہ عنہ کی روانگی محرّم ۱۱ھ میں ہوئی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو قبیلۂ اَحمس کے ایک سو پچاس سواروں کی معیت میں روانہ فرمایا، جن میں حضرت ابوارطاۃؓ بھی شامل تھے۔ ان حضرات نے اس نام نہاد کعبہ کو توڑ کر نذرِ آتش کردیا، اور جو کفار وہاں موجود تھے انہیں تہ تیغ کرڈالا، اور حضرت ابوارطاۃ رضی اللہ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ خوشخبری دے کر بھیجا، انہوں نے آکر عرض کیا: ''یارسول اللہ! ہم نے اس کو خارشی اُونٹ جیسا کرکے چھوڑا'' (مَاتَرَ کْنَاهَا اِلَّا كَأَنَّهَا جَمَلٌ اَجْرَبُ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس اطلاع سے بے حد مسرّت ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اَحمس کے سواروں اور پیادوں کے لئے پانچ مرتبہ برکت کی دُعا فرمائی، بعد ازاں حضرت جریر رضی اللہ عنہ اپنے رُفقاء سمیت مراجعت فرمائے مدینہ ہوئے، ابھی راستے ہی میں تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کی خبر ہوئی۔

۲:...سریہ علی بن ابی طالب و خالد بن سعید بن عاصؓ:...اسی سال حضرت علی بن ابی طالب اور خالد بن سعید بن عاص رضی اللہ عنہما کا سریہ بجانبِ یمن روانہ فرمایا، اور ان دونوں سے ارشاد فرمایا: ''اگر دونوں اِکٹھے رہے تو تم سب کے اَمیر علی ہوں گے، اور اگر الگ الگ ہونے کی نوبت آئی تو تم دونوں اپنی اپنی جگہ امیر ہوگے۔'' یہ حضرات یمن پہنچے اور کچھ لوگوں کو قید کرلائے۔

۳:...سریہ خالد بن ولیدؓ:...اسی سال خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا سریہ خثعم کی طرف یمن روانہ فرمایا، جب حضرت خالد رضی اللہ عنہ ان کے یہاں پہنچے تو پناہ لینے کی خاطر وہ لوگ سجدے میں گر گئے، مگر حضرت خالدؓ (ان کا مطلب نہیں سمجھ پائے اس لئے) ان کو قتل کردیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اِطلاع ہوئی تو ان کو نصف دیت ادا فرمائی۔ (جاری ہے)

اداریہ

محمد اعجاز مصطفیٰ

علماء کرام
متاعِ ایماں کے محافظ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو آخری نبی بنا کر مبعوث فرمایا، جس کا اعلان قرآن کریم میں سومرتبہ کیا گیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زبان مبارک سے احادیث نبویہ کی صورت میں دوسو سے زائد بار یہ منادی کرائی گئی۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ قرآن کریم اور احادیث نبویہ میں بھی خبردار کیا گیا کہ ختم نبوت کا انکار کرنے والوں کا فتنہ اٹھے گا، قرآن کریم اسے فتنۂ ارتداد سے تعبیر کرتا ہے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ایسے فتنہ پروروں کو کذاب ودجال (سب سے بڑے جھوٹے اور سب سے بڑے دھوکے باز) بتلاتے ہیں۔

عقیدہ ختم نبوت کا انکار کرنے والے یوں تو کئی دجال وکذاب گزرے، لیکن ان سب میں مسیلمہ کذاب کا فتنہ سب سے شدید تھا۔ اس کی ہولناکی کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ اس فتنے سے نبردآزما ہونے والے مجاہدین میں سے بارہ سو صحابہ کرامؓ وتابعینؒ نے جامِ شہادت نوش کیا، جن میں سات سو حفاظ وقرأ تھے۔ دورِ صحابہ کرامؓ کے حفاظ وقرأ کا مطلب علماء ہے، کیونکہ اس وقت حفظِ قرآن وعلمِ قرأت کی مروّجہ صورت نہیں تھی، بلکہ صحابہ کرامؓ قرآن کریم حفظ کرنے کے ساتھ ساتھ اس کے معانی وبیان اور مفہوم ومقصد تک دسترس رکھا کرتے تھے اور اس کے لئے اپنی پوری پوری زندگیاں تج دیا کرتے تھے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ مسیلمہ کذاب کے فتنے کی سرکوبی کے لئے جس طبقے نے سب سے زیادہ جانوں کے نذرانے پیش کیے، وہ ’’علماء کرام‘‘ کا طبقہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن ابی بکر صدیقؓ، حضرت زیدؓ بن خطاب برادرِ فاروق اعظمؓ، انصار کے سب سے بڑے خطیب حضرت ثابت بن قیس شماسؓ، حضرت ابوحذیفہؓ اور حضرت سالم مولیٰ ابی حذیفہؓ صفِ شہدأ کے نمایاں رجال ہیں۔

علماء کرام، انبیائے کرام علیہم السلام کے ورثا ہیں اور جماعتِ انبیا کے آخری تاجدار آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں، چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں، چنانچہ علماء کرام نے اس وراثت کا حق یوں ادا کیا ہے کہ منصبِ نبوت کے قریب بھی کسی جھوٹے دجال کو پھٹکنے نہیں دیا، اور اپنی جانوں کی بازی لگا کر اس ایمانی خزینے کی حفاظت فرمائی ہے۔

آنے پائے نہ کوئی تختِ نبوت کے قریب
دیکھیے! خواجۂ کونین ﷺ کے دربان ہیں ہم

مسیلمۂ کذاب کے خطرناک فتنے سے مسیلمۂ پنجاب مرزا غلام احمد قادیانی کے ایمان کش فتنے تک کی تاریخ ایسے جانبازوں اور سرفروشوں سے بھری پڑی ہے۔ خصوصاً برصغیر پاک وہند میں جب قادیانیت نے سر اٹھایا تو اس کی سرکوبی کے لئے سب سے پہلے طبقۂ علماء کے ہی سرکردہ افراد آگے

بڑھے، جن میں علمائے لدھیانہ، علمائے دیوبند اور بزرگانِ گولڑہ شریف پیش پیش تھے۔ انہی علماء کرام نے اپنے تقریری مناظروں وتحریری مباحثوں سے اس زورآور فتنے کی ناک میں نکیل ڈال دی اور بہت سے مسلمانوں کی متاعِ ایمان بچالی۔

علماء کرام کی ان خدمات کا جہاں ایک عالَم کو اعتراف ہے، وہیں خود مرزا قادیانی بھی اپنی شکست وریخت کا سبب انہی محسنینِ امت کو قرار دیتا ہے۔ چنانچہ اپنی کتاب تذکرۃ الشہادتین میں لکھتا ہے:

''اگر یہ علماء موجود نہ ہوتے تو اب تک تمام باشندے اس ملک کو جو مسلمان کہلاتے ہیں مجھے قبول کر لیتے۔ پس تمام منکروں کا گناہ ان لوگوں کی گردن پر ہے۔'' (روحانی خزائن، ج:۲۰،ص:۶۶)

مرزا جی، علمائے امت کو مسلمانوں کے قادیانیت قبول نہ کرنے کا ذمہ دار ٹھہراتے ہوئے اس کا گناہ ان کے سر لادرہے ہیں۔ جب کہ ہم فخریہ کہتے ہیں کہ الحمدللہ! مسلمانوں کے قادیانیت سے بچ جانے کا سہرا علماء کرام کے سر سجا ہے، اور اگر یہ گناہ ہے تو ہم چاہتے ہیں کہ ہم سے یہ گناہ بار بار سرزد ہوتا رہے، بھلے اس کی سزا میں جان سے گزر جانا ہی کیوں نہ پڑے!

بڑھتا ہے اور ذوقِ گنہ یاں سزا کے بعد

سب سے پہلے شہیدِ ختم نبوت سیدنا حضرت حبیب بن زید انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے نائب امیر مرکزیہ شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی اور ان کے رفقاء ذی قدر حضرت مولانا مفتی نظام الدین شامزی شہیدؒ، حضرت مولانا مفتی محمد جمیل خان شہیدؒ، حضرت مولانا سعید احمد جلال پوری شہیدؒ، حضرت مولانا نذیر احمد تونسوی شہیدؒ، نیز ۱۹۷۴ء کی تحریک ختم نبوت کے دوران بلوچستان اسمبلی کے ڈپٹی اسپیکر حضرت مولانا سید شمس الدین شہیدؒ تک ایک بڑی تعداد شہدائے ختم نبوت علماء کرام کی ہے جن کی زندگیاں اس فتنے کی سرکوبی کرتے ہوئے کھپ گئیں اور بالآخر اس کی پاداش میں وہ اپنی جانوں سے بھی گزر گئے۔

جور کے تو کوہِ گراں تھے ہم جو چلے تو جاں سے گزر گئے
رہ یار ہم نے قدم قدم تجھے یادگار بنادیا

قادیانیت کی یہ بھول ہے کہ ان علماء کرام کے قتل عام سے وہ اپنے فتنے کے پھیلاؤ میں کامیاب ہوسکے گی۔ ان شاءاللہ تعالیٰ! ہر مسلمان اپنے خون کے آخری قطرے تک حضرت خبیب بن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عزم وحوصلے کا علَم بردار ہے، جنہوں نے فرمایا تھا:

وَلَسْتُ اُبَالِیْ حِیْنَ اُقْتَلُ مُسْلِماً عَلٰی اَیِّ شِقٍّ کَانَ لِلّٰہِ مَصْرَعِی
وَذٰلِکَ فِیْ ذَاتِ الْاِلٰہِ وَاِنْ یَّشَاء یُبَارِکْ عَلٰی اَوْصَالِ شِلْوٍ مُمَزَّعٍ

(بخاری شریف، کتاب التوحید، رقم الحدیث:۷۴۰۲)

ترجمہ:.... ''اور جب میں مسلمان ہونے کی حالت میں قتل کیا جارہا ہوں، تو مجھے اس کی پروا نہیں کہ مجھے کس پہلو پر قتل کیا جائے گا، اور میرا یہ مرنا اللہ کے لئے ہے اور اگر وہ چاہے گا، تو میرے ٹکڑے ٹکڑے کیے ہوئے اعضا پر برکت نازل کرے گا۔''

اللہ تعالیٰ ہمیں ان علماء کرام کی قدردانی نصیب فرمائے اور ان کے نقشِ قدم پر چل کر قادیانیت کی سرکوبی کی توفیق عطا فرمائے اور ہمارے اکابر شہدائے ختم نبوت کے درجات بلند فرمائے، آمین یا الٰہ العالمین!

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا ومولانا وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین

سبق پھر پڑھ صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا

ڈاکٹر سراج الدین ندوی

دنیا میں دوطرح کے قوانین کارفرما ہیں۔ ایک تکوینی اور ایک تشریعی۔تکوینی قوانین وہ ہیں جو انسان کے دائرہ اختیار سے باہر ہیں اور ان کو براہِ راست اللہ تعالیٰ چلا رہا ہے۔مثال کے طور پر سورج کا طلوع وغروب ہونا، رات دن کا بدلنا، ہواؤں کا چلنا، بادلوں کا برسنا وغیرہ۔یہ تمام نظام اللہ تعالیٰ کے تکوینی قوانین کے تحت چل رہا ہے۔ انسان اگر چاہے بھی تو اس میں کوئی دخل نہیں دے سکتا۔اسی کو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ترجمہ: ”تم اللہ تعالیٰ کی سنت (طریقہ) میں ہرگز کوئی تبدیلی نہیں پاؤ گے۔“ (الفتح:۲۳)

اللہ کے تکوینی نظام میں عدل کی کارفرمائی ہے۔اس لئے ہر چیز اپنی جگہ کام کررہی ہے۔ سورج اپنے وقت پر نکلتا ہے اور اپنے وقت پر غروب ہو جاتا ہے۔نہ معلوم کتنی مدتیں گزر گئیں، لیکن اس کی چال میں بال برابر بھی فرق نہیں آیا۔چاند اپنی تاریخوں پر نکلتا ہے اور رفتہ رفتہ بڑھتا ہے پھر اپنی متعینہ تاریخوں پر گھٹنا شروع ہوجاتا ہے۔کبھی اس میں فرق نہیں آتا۔ اگر کبھی سورج اور چاند میں گرہن لگتا بھی ہے تو وہ بھی خدا کے قانون کے مطابق لگتا ہے۔اگر یہ نظام انسان کے ماتحت ہوتا تو طاقت ور ممالک غریب ممالک پر سورج کی روشنی بند ہی کر ڈالتے اور جب چاہتے دنیا کے ایک حصہ پر تاریکی مسلط کردیتے۔

اللہ کا دوسرا نظام تشریعی ہے۔جس میں انسان کو اپنی مرضی کے مطابق کام کرنے کی آزادی دی گئی ہے۔اس میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی پسند کا قانون عطا فرمایا ہے لیکن اس کو مجبور نہیں کیا کہ وہ اس کے قانون پر عمل کرے۔مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہاتھ دیئے جن کو اچھے کام کے لئے استعمال کرنا چاہئے، ان ہاتھوں کو اگر ہم اپنے روزمرہ کے کاموں میں مدد و تعاون حاصل کرنے اور دوسروں کی مدد کرنے میں استعمال کرتے ہیں، تو یہ اللہ تعالیٰ کی پسند کے مطابق ہوگا۔لیکن ہم مجبور نہیں ہیں، ہم ان ہاتھوں سے کسی کو اٹھانے کے بجائے دھکا دے کر گرا بھی سکتے ہیں، ان ہاتھوں سے کسی کو کچھ دینے کے بجائے چھین بھی سکتے ہیں، مدد کرنے کے بجائے ظلم وزیادتی بھی کرسکتے ہیں، ایسا نہیں ہوسکتا کہ ہم کسی کو دھکا دیں یا کسی سے کچھ چھینیں تو ہمارے ہاتھ شل ہو جائیں اور کام کرنا چھوڑ دیں۔یہ الگ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اول الذکر کاموں سے خوش ہوگا اور ثانی الذکر سے ناراض ہوگا۔اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ جس طرح تکوینی نظام عدل پر قائم ہے اسی طرح انسان تشریعی نظام میں بھی عدل سے کام لے۔اگر انسان عدل سے کام لے گا تو دنیا میں اس کی زندگی میں امن ہوگا، سکون ہوگا، خوشحالی ہوگی، وہ محفوظ رہے گا اور مرنے کے بعد بھی اس کو ابدی اور دائمی جنتیں حاصل ہوں گی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

”بے شک اللہ تعالیٰ عدل و احسان کرنے اور اہل قرابت کے حقوق کی ادائیگی کا حکم دیتا ہے اور فحاشی، منکرات اور سرکشی سے روکتا ہے، وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے، شاید کہ تم نصیحت حاصل کرنے والے بن جاؤ۔“ (النحل:۹۰)

ایک دوسرے مقام پر فرمایا:

”اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، انصاف کے علمبردار اور خدا واسطے کے گواہ بنو اگرچہ تمہارے انصاف اور تمہاری گواہی کی زد خود تمہاری اپنی ذات پر یا تمہارے والدین اور رشتہ داروں پر ہی کیوں نہ پڑتی ہو فریق معاملہ خواہ مالدار ہو یا غریب، اللہ تعالیٰ تم سے زیادہ اُن کا خیرخواہ ہے، لہٰذا اپنی خواہش نفس کی پیروی میں عدل سے باز نہ رہو اور اگر تم نے لگی لپٹی بات کہی یا سچائی سے پہلو بچایا تو جان رکھو کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ کو اس کی خبر ہے۔“ (النساء:۱۳۵)

عدل کی ضد ظلم ہے۔عدل یہ ہے کہ ہر

شے کو اس کے مقام پر رکھا جائے اور ظلم یہ ہے کہ کسی شے کو اس کے مقام پر نہ رکھا جائے۔ عدل کے ثمرات امن وسکون، خوشحالی اور ترقی کی شکل میں ملتے ہیں اور ظلم کا نتیجہ فتنہ وفساد، بدامنی اور خون ریزی کی شکل میں سامنے آتا ہے۔ عدل کا ہوگا تو انسانی معاشرہ امن وسکون کا گہوارا ہوگا اور عدل نہیں ہوگا تو ظلم وفساد ہوگا۔ آج ہم دنیا کے جس حصہ میں بھی جنگ کا سامنا کررہے ہیں وہ عدل کے فقدان کا نتیجہ ہے۔ تازہ مثال اسرائیل اور فلسطین جنگ کی ہے۔ اہل فلسطین کیوں جنگ پر آمادہ ہوئے؟ اس لئے کہ ان کے ساتھ ناانصافی کی گئی۔ اسرائیل اور اس کو قائم کرنے والے ممالک کی ناانصافیاں آج تباہی کی شکل میں ہمارے سامنے ہیں۔ اس سے قبل کی تمام جنگوں کی تاریخ اٹھالیجئے۔ ان کے اسباب میں آپ کو ظلم کارفرما نظر آئے گا۔

موجودہ دور میں ہرجگہ ناانصافی نظر آتی ہے، وہ بین الاقوامی ادارے جو دنیا میں امن کے نوبل انعام تقسیم کررہے ہیں وہ خود ناانصافی اور ظلم کا سرچشمہ ہیں، اقوام متحدہ جس کا قیام اس لئے ہوا کہ تھا کہ کوئی ملک کسی ملک پر ظلم نہ کرے، وہاں ظالموں کے حق میں ویٹو کیا جارہا ہے۔ ملک میں عدالتوں کے فیصلے، حکومت کی پالیسیاں، عدل سے عاری ہیں۔ لوگوں کی آستھا کو سامنے رکھ کر، اقتدار پر براجمان لوگوں کے اشاروں پر، کسی عہدے ومنصب کے لالچ میں، کسی کے ڈر اور خوف سے عدالتیں فیصلے کررہی ہیں۔ رائے دہندگان کو سامنے رکھ کر آئین کے صریح خلاف پالیسیاں بنائی جارہی ہیں، گواہ، وکیل اور جج رشوت لے کر گناہگار اور مجرم کو باعزت بری کررہے ہیں۔ بلقیس بانو کے مقدمہ کی مثال ہمارے سامنے ہے، کس طرح ایک حکومت نے سزا یافتہ مجرمین کو سلاخوں سے رہا کردیا اور مظلوم کو ایک بار پھر انصاف مانگنے کے لئے عدالت عظمیٰ کا دروازہ کھٹکھٹانا پڑا۔ ہماری بےضمیری کا عالم یہ ہے کہ مجرمین اور قاتلین کو پھولوں کے ہار پہنائے جاتے ہیں۔

اسلام اپنے ماننے والوں کو ہرحال میں انصاف کا حکم دیتا ہے۔ مجرم خواہ قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو، وہ صاحبِ اثر ورسوخ والا ہی کیوں نہ ہو، یہاں تک کہ وہ ملک کا حاکم ہی کیوں نہ ہو، اگر وہ مجرم ہے تو اسے سزا ضرور ملے گی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ’’کسی قسم کی دشمنی تمہیں ناانصافی پر آمادہ نہ کرے، انصاف کرو، یہ خداترسی کے زیادہ قریب ہے، اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری حرکتوں سے باخبر ہے۔‘‘ (المائدہ:۸)

اسلامی تاریخ ایسے ہزاروں واقعات سے بھری پڑی ہے۔ دورِ رسالت میں ایک خاتون نے چوری کی، اس کا نام فاطمہ تھا، وہ معزز خاندان کی فرد تھی، کچھ لوگوں کے کہنے پر حضرت اسامہؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کی سزا میں تخفیف کے لئے سفارش کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ’’کیا تم اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ سزا میں سفارش کررہے ہو؟‘‘ حضرت اسامہؓ نے معذرت کرلی۔ اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: ’’اے لوگو! تم سے پہلی قومیں اس لئے تباہ ہوئیں کہ جب کوئی بڑا آدمی جرم کرتا تو اسے چھوڑ دیا جاتا اور جب کوئی معمولی شخص اسی جرم کا ارتکاب کرتا تو اسے سزا دے دی جاتی۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اگر فاطمہ بنت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بھی چوری کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹنے کا حکم دیتا۔‘‘ (صحیح بخاری)

حضرت علیؓ کے دورِ خلافت میں اسلامی عدالت کے قاضی حضرت شریحؒ نے ایک معاملہ میں خود امیر المومنین حضرت علیؓ کے خلاف فیصلہ دیا۔ مشہور واقعہ ہے کہ حضرت علیؓ کی زرہ گم ہوگئی، کچھ دن بعد وہی زرہ آپ نے ایک یہودی کے پاس دیکھی تو اسے پہچان لیا اور کہا کہ یہ زرہ میری ہے۔ یہودی نے کہا کہ یہ میرے قبضہ میں ہے، اس لئے میری ہے۔ آپ ثبوت لائیے اور قاضی سے فیصلہ کرائیے، چنانچہ قاضی شریحؒ کی عدالت میں مقدمہ پیش ہوا۔ حضرت

ABS
ESTD 1880
سوسال سے زائد بہترین خدمت
ABDULLAH Brothers Sonara
عبداللہ برادرز سونارا
Formerly: H. Elyas Sonara
Shop: NP 2/73, Bhangnari Street, Sarafa Bazar,
Mithader, Karachi. Ph:32546455, Cell: 0301-2352363

علیؓ نے اپنے غلام اور اپنے بیٹے کو بطور گواہ پیش کیا، قاضی نے کہا کہ مالک کے حق میں غلام کی اور باپ کے حق میں بیٹے کی گواہی قابل قبول نہیں۔ اور زرہ یہودی کو دے دی۔ یہودی اس انصاف سے متاثر ہوا اور اس نے کہا کہ یہ زرہ حضرت علیؓ ہی کی ہے۔ اسی کے ساتھ اس یہودی نے اسلام قبول کرلیا۔

بہت دور نہ جایئے خود ہمارے ملک میں عدل جہانگیری مشہور ہے۔ ہم نے زنجیر عدل ایجاد کی۔ ہم جب تک عدل کرتے رہے دنیا پر حکمرانی کرتے رہے۔ ایک وقت وہ تھا جب ہماری گواہیاں معتبر تھیں، اس لئے کہ ہم جھوٹ نہیں بولتے تھے۔ اترپردیش کے شہر مظفرنگر میں ایک قطعہ زمین کی ملکیت پر ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان تنازع تھا۔ یہ برٹش دور کی بات ہے۔ مقدمہ انگریز کی عدالت میں زیر سماعت تھا۔ دونوں فریق اپنے دعوے پر قائم تھے۔ انگریز جج نے مسلمانوں سے پوچھا کہ کیا کوئی ہندو ایسا ہے جس کی گواہی پر آپ اطمینان کرسکتے ہوں۔ مسلمانوں نے انکار کردیا۔ یہی بات جج نے ہندوؤں سے معلوم کی۔ انہوں نے آپسی تبادلۂ خیال اور غوروفکر کے بعد کہا کہ ایک بزرگ ہیں وہ بہت ایمان دار ہیں، ہم ان کی گواہی پر یقین رکھتے ہیں۔ وہ جو کہہ دیں گے ہم مان لیں گے۔ جج نے ان کو بلانے کے لئے سپاہی بھیجے۔ جب سپاہی وہاں پہنچے تو بزرگ نے کہہ دیا کہ میں نے قسم کھائی ہے کہ کسی انگریز کی صورت نہ دیکھوں گا۔ سپاہیوں نے یہ بات جج کو بتائی۔ جج نے کہلا بھیجا کہ میری صورت نہ دیکھیں۔ میری طرف پیٹھ کرکے کھڑے ہو جائیں اور گواہی دے دیں۔ اس شرط پر بزرگ تشریف لے آئے اور جج کی طرف پشت کرکے کھڑے ہوگئے۔ جج نے مقدمہ کی تفصیلات بتائیں اور ان سے گواہی چاہی۔ بزرگ نے بڑے اطمینان سے کہا کہ اس زمین پر مسلمانوں کا دعویٰ جھوٹا ہے۔ یہ زمین ہندوؤں کی ہے۔ جج نے ان کی گواہی پر ہندوؤں کے حق میں فیصلہ سنا دیا۔ اس کا بہت اثر ہوا اور بہت سے ہندو اسی وقت مسلمان ہوگئے۔ جج نے اپنے فیصلہ میں لکھا کہ: ’’آج مسلمان ہار گئے مگر اسلام جیت گیا۔‘‘ یہ بزرگ شیخ محمود بخشؒ سہارن پوری تھے۔ مفتی مظفر حسینؒ ان ہی کے بھتیجے تھے۔

افسوس اس بات کا ہے کہ ہم خود عدل و انصاف کا دامن چھوڑ بیٹھے ہیں۔ اسی لئے ہمارا اعتبار ختم ہوگیا ہے اور ہماری عزت جاتی رہی۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہمارا کھویا ہوا وقار واپس آجائے تو ہمیں انصاف قائم کرنے والا بننا ہوگا۔ ہمیں توظلم سے باز رہنے، ظلم نہ سہنے اور ظلم کو آگے بڑھ کر روکنے کے لئے مبعوث کیا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو معزول کرکے ہمیں منصب امامت پر اس لئے فائز کیا تھا کہ ہم دنیا سے ظلم کو مٹا ڈالیں۔ ہمارے پاس تو خوفِ خدا کا وہ نسخہ تھا جس نے ہماری زندگی میں انقلاب پیدا کردیا تھا، دنیا نے ہمارے دورِ خلافت میں دیکھا تھا کہ ایک عورت دودھ میں پانی ملاتے ہوئے بھی ڈرتی تھے۔ مجرم اپنے جرم کا اقرار کرکے خودسزا کا مطالبہ کرتے تھے تاکہ خدا کے یہاں جہنم کے عذاب سے بچ جائیں۔ ہمیں حیات رسول کی شکل میں وہ اسوہ کاملہ عطا کیا گیا تھا جس سے ہم نے اپنی زندگیوں کو اس طرح منور کیا تھا کہ ساری دنیا اس نور سے جگمگا اٹھی تھی۔

آج ہر طرف جو ظلم ہے میں سمجھتا ہوں کہ اس کے بڑے ذمہ دار ہم خود ہیں۔ اگر ہم خود کے ساتھ، خدا کے ساتھ، خدا کے پیغام کے ساتھ انصاف کرتے اور سماج و معاشرے میں انصاف کو قائم کرتے تو ہمارے اقتدار کا سورج غروب نہ ہوتا۔ ہمیں اپنی زندگیوں کا جائزہ لینا چاہئے اور دیکھنا چاہئے کہ اپنی اولاد کے ساتھ، اپنے ہمسائیوں اور رشتہ داروں کے ساتھ، اپنے زیر دست افراد کے ساتھ ہمارا معاملہ کیا ہے؟ اگر ہم عدل پر کاربند ہیں تو یقین رکھئے اللہ تعالیٰ ہمیں ضرور سرخرو کرے گا اور اگر ہمارا رویہ غیر عادلانہ اور ظالمانہ ہے تو مزید رسوائیاں ہماری منتظر ہیں۔

☆☆ .... ☆☆

ABDULLAH SATTAR DINA
& Sons Jewellers
عبداللہ ستار ڈینا اینڈ سنز جیولرز
Gold, Silvers, Sellers & Order Suppliers
Shop: 85, Kundan Street, Sarafa Bazar,
Mithader, Karachi. Phone :32514972, 32531133

بابری مسجد.... تاریخی پس منظر

قسط:۳

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

۱۹۹۱ء میں آثارِ قدیمہ کے ماہرین پر مشتمل ایک غیر جانب دار ٹیم نے جو پروفیسر آر ایس شرما، پروفیسر محمد اطہر علی، پروفیسر این جھا اور پروفیسر سورج بھان پر مشتمل تھی، تاریخی بنیاد پر بابری مسجد سے متعلق ایک رپورٹ حکومت کو پیش کی تھی، اسے بعد میں لندن کے ایک ادارے انڈین مسلم فیڈریشن آف یو کے نے ایک کتابچہ کی شکل میں شائع کیا، اس نے بابری مسجد کے تعلق سے تمام ثبوتوں کے جائزے پر کافی غور وخوض کے بعد جو نتیجہ اخذ کیا ہے، وہ کچھ اس طرح ہے:

(۱) رام جنم بھومی سے متعلق کوئی بھی مخطوط ثبوت سولہویں صدی سے قبل کا موجود نہیں ہے، جو یہ ثابت کرے کہ ایودھیا میں کسی مقام کو رام چندر جی کی جائے پیدائش کے طور پر تقدس حاصل تھا۔

(۲) اس بات کو تسلیم کرنے کی کوئی بنیاد نہیں ہے کہ بابری مسجد کے مقام پر ۲۹، ۱۵۲۸ء میں اس کی تعمیر سے قبل رام مندر یا کوئی مندر تھا، یہ نتیجہ آثارِ قدیمہ کے شواہد اور مسجد پر لگے کتبہ سے بھی ظاہر ہے۔

(۳) یہ داستان کہ بابری مسجد رام مندر کی جگہ پر قبضہ کر کے بنائی گئی ہے، اٹھارہویں صدی عیسوی کے آخر اور انیسویں صدی عیسوی کی ابتداء میں گڑھی گئی۔

(۴) یہ پوری داستان کہ رام چندر جی کی جائے پیدائش پر تعمیر شدہ مندر اور سیتا کی رسوئی منہدم کی گئی تھی، ۱۸۵۰ء کے بعد گڑھی گئی، یہ ایک تصوراتی تاریخ کے ترقی پسندانہ انداز سے تخلیق کا ڈراما ہے، جو صرف عقیدہ اور آستھا پر مبنی ہے اور جس کا حقیقت سے کوئی تعلق یا لینا دینا نہیں ہے۔

اِلٰہ آباد ہائی کورٹ نے بابری مسجد کیس کی سماعت کرتے ہوئے ۵/ مارچ ۲۰۰۳ء کو محکمۂ آثارِ قدیمہ کے ذمہ یہ کام سونپا کہ وہ کھدائی کے بعد پتہ چلائے کہ بابری مسجد سے پہلے اس جگہ پر کوئی مندر تھا یا نہیں، محکمۂ آثارِ قدیمہ کی جانب سے کھدائی کے دوران وقفہ وقفہ سے جو رپورٹ عدالت کو پیش ہوتی رہی، اس میں یہ واضح طور پر کہا گیا کہ اس جگہ پر کسی مندر کی موجودگی کا کوئی آثار یا ثبوت نہیں ملا ہے؛ لیکن سب سے آخر میں جو رپورٹ ۲۲/ اگست ۲۰۰۳ء کو عدالت میں یکا یک داخل کی گئی، اس میں حیرت انگیز طور پر دعویٰ کیا گیا کہ وہاں مندر تھا، غیر جانبدار سیکولر مؤرخین نے انتہائی حیرت کے ساتھ اس رپورٹ کو پڑھا اور اس کے مختلف نکات پر تنقید کی۔

مزید یہ کہ سنگھ پریوار سے وابستہ تمام افراد اور ان کے ذریعہ تیار کردہ تمام لٹریچر اور کتابوں میں تحریر ہوتا ہے کہ ۲۳/ دسمبر ۱۹۴۹ء میں رام جی بابری مسجد میں اچانک پرکٹ ہو گئے؛ لیکن ۲۳/ دسمبر ۱۹۴۹ء کو تعزیرات ہند کی دفعات ۴۴۸، ۲۵۹ اور ۱۴۷ کے تحت فیض آباد کے ایودھیا تھانے میں تعینات سب انسپکٹر پنڈت رام دیو دوبے نے ماتا پرساد کانسٹیبل نمبر ۷ اور ہنس راج کا کانسٹیبل نمبر ۷۰ کے بیان پر جو پہلی F.I.R لکھی ہے، اس کے مطابق ابھیہ رام داس، رام شکلا، سدرشن داس کے علاوہ دیگر پچاس ساٹھ آدمی بابری مسجد کا دروازہ توڑ کر اور دیوار پھلانگ کر مسجد کے احاطہ میں داخل ہوئے اور وہاں بھگوان رام کی مورتی رکھ دی اور اندر کی دیواروں پر زعفرانی اور پیلے رنگ سے رام اور سیتا کی تصویریں بنا دیں، اس طرح انھوں نے مسجد کے تقدس کو پامال کیا، جب انھیں روکا گیا تو وہ لوگ نہیں مانے، صبح تک وہاں پانچ ہزار لوگوں کی بھیڑ جمع ہو گئی اور ان لوگوں نے بھجن وکیرتن شروع کر دیا اور مذہبی نعرے لگانے لگے۔

اِلٰہ آباد ہائی کورٹ میں ہندو فریق کے ایک اہم گواہ سوامی ادل مکیشور آنند جی مہاراج نے عدالت کو بتایا تھا کہ بابری مسجد کی جگہ میں پنج وقتہ نماز ۲۲/ دسمبر ۱۹۳۶ء کی نماز عشاء تک ہوتی رہی ہے، (ایسا اس لئے ہے کہ ایک یہ دلیل پیش کی گئی کہ ۱۹۳۶ء سے اس میں نماز بند ہے اور صرف جمعہ کی نماز ہوتی رہی ہے) جسٹس ایس یو خان نے اپنے فیصلہ میں ان مراسلات کا حوالہ دیا،

جو کہ پولیس ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ وغیرہ میں ہوتے رہے تھے، جب کہ اس واقعہ کو دوسرے ججوں نے پوری طرح نظرانداز کردیا ہے۔

آرکیالوجیکل سروے آف انڈیا نے اپنے سروے کے دوران کوئی ایسی چیز برآمد نہیں کی جسے وہ مندر سے وابستہ کرتے، صرف ایک جوڑواں مرد وعورت کا درمیانی دھڑ ہے؛ لیکن یہ بھی نیچے کی کھدائی میں نہیں ہے؛ بلکہ بابری مسجد کے ملبہ میں ملا ہے، جو ۲۳؍دسمبر ۱۹۴۹ء سے ۶؍دسمبر ۱۹۹۲ء تک مندر کے طور پر استعمال ہوتا رہا ہے، مسجد کے نیچے کچھ باقیات اور ایک دو دیواریں ملی ہیں، جو کافی مضبوط اور لمبی ہیں جو کہ شمال سے جنوب کی جانب قبلہ رُخ ہے، جس کے بارے میں قیاس ہے کہ یہ بابری مسجد بننے سے قبل وہاں موجود کسی مسجد کی رہی ہوں گی؛ کیوں کہ ہندوستان کے کسی مندر میں مغرب کی سمت کی دیوار شمال سے جنوب کی طرف نہیں ہوتی ہے، کھدائی کے دوران ایسے پتھر ضرور ملے ہیں جس پر نقش کندہ ہے؛ لیکن کوئی بھی نقش کسی مورتی یا انسان کی شبیہ کا نہیں ہے۔

ڈاکٹر سورج بھان، ڈاکٹر جیا منتن، ڈاکٹر ٹھکران وغیرہ نے عدالت میں دیئے اپنے بیان میں کہا کہ کھدائی سے یہ قطعاً ثابت نہیں ہوتا ہے کہ اس جگہ پر کبھی کوئی مندر یا کوئی ہندو مذہبی عمارت تھی۔ (راشٹریہ سہارا، دہلی، ۷؍مئی ۲۰۰۵ء)

رام شنکر اپادھیائے نے مارچ ۱۹۹۵ء میں بابری مسجد کے مقدمہ کی سماعت کرنے والی لکھنؤ بنچ کے سامنے بیان دیتے ہوئے کہا ہے:

میں نے ہندو دھرم کی کتابیں پڑھی ہیں، رام چرت مانش یا تلسی داس کے کسی دوسرے ساہتیہ میں ایسا کوئی ذکر نہیں ملتا کہ ایودھیا میں شری رام کے مندر کو توڑ کر کوئی مسجد بنائی گئی ہو، ہندو دھرم کی کسی بھی کتاب میں کوئی ایسا ذکر نہیں ملتا کہ رام چندر جی کے جنم استھل پر بابری مسجد بنائی گئی ہو یا رام چندر جی کی جنم استھل وہاں واقع ہوئی ہو، جہاں بابری مسجد تھی۔

سوامی اگنی ویش کے چشم کشا نکات:

مشہور آریہ سماجی قائد سوامی اگنی ویش کا تجزیہ بہت دلچسپ ہے، ان کا کہنا ہے کہ: سنگھ پریوار اور بھگوا دھاری گروہ کا الزام ہے کہ ۱۵۲۸ء میں مغل بادشاہ بابر کے سپہ سالار میر باقی نے رام مندر توڑ کر بابری مسجد تعمیر کروائی تھی، میرے ذہن میں ایک سوال اُٹھتا ہے کہ کیا ہندوستان کا اکثریتی طبقہ اتنا نامرد تھا کہ اپنے ارادھیہ دیو رام کے جنم استھان جیسی جگہ پر بنے مندر کو ٹوٹتے دیکھتا رہا، نہ تو اس کی مخالفت کی اور نہ ہی کوئی تحریک چلائی، یہ وہ دور تھا جب ہندوستان میں مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی؛ بلکہ وہ نہ ہونے کے برابر تھے، تاریخ میں مندر توڑنے کے بعد بھی کسی تحریک کے چلائے جانے کی کوئی سند کسی سنگھی مؤرخ نے بھی پیش نہیں کی ہے، میرے ذہن میں یہ بھی خیال آتا ہے کہ اگر اس جگہ رام پیدا ہوئے تھے اور وہاں بھویہ مندر تھا تو وہ آبادی سے اتنا دُور کیوں تھا؟ کیا کوشلیہ رام کو جنم دینے جنگل گئی تھی؟ کیوں کہ ابھی تک کی تمام کھدائی کے نتیجہ میں اس کے آس پاس ڈیڑھ کلومیٹر کے دائرہ میں کسی قدیم آبادی کا نام ونشان تک بھی نہیں ملا ہے، اس سوال کا جواب ڈھونڈ ھنے کے لئے میں نے مغل پیریڈ کے آس پاس اور اس کے بعد کے ہندو اور سکھ مہا پرشوں اور ان کی کتابوں کا مطالعہ کیا، سکھ اس لئے کہ جس زمانے میں مندر توڑنے کی بات ہوئی ہے، اسی زمانہ میں سکھ مغلوں سے دو دو ہاتھ کررہے تھے، اس سلسلہ میں مجھے کچھ نام ملے گرو گوبند سنگھ، شیوا جی مہراج، مہارشی دیانند، سوامی وویکانند، مہاتما گاندھی، پنڈت نہرو، سردار پٹیل، ساورکر، گرو گلوالکر، ہیڈگوار، شیاما پرشاد مکھرجی، پنڈت دین دیال، انگریز، کمیونسٹ، مسلم اور سنگھی مؤرخ جنھوں نے مغلوں کی تاریخ لکھی ہے۔

سکھوں کے دسویں گرو گوبند سنگھ پٹنہ میں پیدا ہوئے، اس دور میں انھوں نے مغلوں سے ۱۴ جنگیں لڑیں، ان کے چار بیٹے بھی شہید ہوئے، پٹنہ سے پنجاب آتے جاتے ہوئے راستہ میں ایودھیا پڑتا ہے؛ لیکن انھوں نے یہ کہیں بھی نہیں لکھا ہے کہ رام مندر کو توڑ کر بابر نے مسجد بنوائی تھی، جاپ صاحب، اکال استت، وچیتر نا ٹک چنڈی، چریتر کے چار حصہ شاستر نام مالا، اُٹھ پکھیا، چریتر لکھاتے، خالصہ ماہیما جیسی کتابوں میں ہندو مندر توڑنے کا ذکر تک بھی نہیں ملتا، یہی نہیں اورنگ زیب کے نام لکھے اپنے خط ظفر نامہ میں بھی اس سلسلہ میں کچھ نہیں لکھا ہے۔

شیوا جی مہراج ساری عمر مغلوں سے لڑتے رہے؛ لیکن انھوں نے بھی کہیں نہیں لکھا ہے کہ بابر نے مسجد بنانے کے لئے کسی ہندو مندر کو مسمار کروایا تھا۔

مہارشی دیانند سرسوتی تمام عمر فیض آباد میں تمام مذاہب کے لوگوں سے مذاکرہ اور مناظرہ کرتے رہے؛ لیکن انھوں نے بھی کبھی اس کا ذکر نہیں کیا ہے، ان کی لکھی کتاب سنسکرت رتن مالا، پاکھنڈ کھنڈن، تری وید بھاشیہ میں بھی نہیں ملے گا

کہ کسی نے مندر توڑ کر مسجد بنوائی تھی۔

سوامی وویکانند سے بڑا کوئی ہندو مبلغ ہو ہی نہیں سکتا، جس نے امریکہ کے شکاگو شہر جا کر سناتن دھرم کے بارے میں زوردار تقریر کی تھی، ان سے منسوب دو سو کتابیں موجود ہیں؛ لیکن اس میں بھی یہ کہیں نہیں ہے، مہاتما گاندھی جنھوں نے ''ہے رام'' کے ساتھ ہی اپنی آخری سانس لی، انھوں نے بھی اس سلسلہ میں کچھ بھی نہیں کہا ہے، مغلوں کو حملہ آور کہنے والے ڈسکوری آف انڈیا کے مصنف پنڈت نہرو رام مندر توڑنے کا کوئی ذکر نہیں کرتے ہیں، سردار پٹیل نے بھی کبھی ایسا کوئی بیان نہیں دیا ہے؛ بلکہ بطور وزیر داخلہ وہ مسجد میں مورتی رکھنے کے سخت مخالف تھے۔

رام چرتر مانس کے مصنف گوسوامی تلسی داس نے ایودھیا میں سریوندی کے کنارے بیٹھ کر ۲۳ کتابیں لکھیں، رام چرتر مانس، رام للا نہوج، ویراگیہ سندی پنی، ویرودھ رامائن، پاروتی منگل، جانکی منگل، راما گیاپن، دوہاولی، کویتاولی، گیتاولی، سری کرشن جیتا ولی، وینیہ پتریکا، ست سئی، داولی رامائن، کنڈلیا رامائن، رام شلوکا، سنکٹ منچن، کرکھا رامائن، رولا رامائن، جھلنا، چھپلیا رامائن، کویتا رامائن، اور کرل دھرما، دھرم انروپن وغیرہ؛ لیکن ان ساری کتابوں میں ایک لفظ بھی مندر توڑ کر مسجد بنانے کے سلسلے میں نہیں ہے؛ حتیٰ کہ آر ایس ایس نے اپنے قیام ۲۷/ستمبر ۱۹۲۵ء سے لے کر ۱۹۸۴ء تک کبھی بابری مسجد کے سلسلہ میں کوئی بیان نہیں دیا، سنگھ سے وابستہ گولکر، ساورکر، بلی رام ہیڈگوار پنڈت دین دیال، شیاما پرساد مکھرجی کی سینکڑوں زہر اُگلتی تقریروں اور کتابوں میں بھی بابر کے ذریعہ مندر توڑ کر مسجد بنانے کا کوئی تذکرہ نہیں ملتا ہے، مزید یہ کہ ساٹھ سال تک بابری مسجد کبھی بھی سنگھ کے ایجنڈے میں شامل نہیں رہی۔

بابری مسجد کی تعمیر کے ۴۰ سال بعد اکبر کے دور میں گوسوامی تلسی داس نے رام چرتر مانس لکھی، اس کے بعد ہی مسجد سے دو کلومیٹر دور راجہ دسرتھ کا راج بھون بنا، رام چندر جی کی جائے پیدائش کے طور پر رام کوٹ مندر اور سیتا رام کی رہائش گاہ کے طور پر کنک مندر بنا، اس کے ساتھ ہی ہنومان گڑھی مندر، رادھو جی مندر، سیتا رسوئی وغیرہ کی عمارتیں تعمیر ہوئیں؛ لیکن ان سب سے دو کلومیٹر کی دوری پر ۱۵۲۸ء سے لے کر ۱۸۸۵ء یعنی ۳۵۰ سال تک بابری مسجد بغیر کسی تنازعہ کے اپنی جگہ ایک اللہ کی عبادت کے لئے قائم رہی، ۱۸۵۷ء میں مسجد کے بغل والی خالی زمین پر ایک دیوار اُٹھا کر ہندوؤں کو دے دی گئی، جس پر ۱۸۸۳ء میں ہندوؤں نے مندر بنانا چاہا؛ لیکن حکومت نے اس کی اجازت نہیں دی، تو ۱۸۸۵ء میں مہنت رگھو پر داس نے فیض آباد کی عدالت میں ایک مقدمہ دائر کیا کہ جنم استھان نام کا ایک چبوترہ مسجد کے سامنے ہے، جس کی لمبائی مغرب سے مشرق اکیس فٹ اور چوڑائی شمال تا جنوب سترہ فٹ ہے، سردی اور برسات میں پوجا کرنے والوں کو تکلیف ہوتی ہے، اس وجہ سے اس پر چھت ڈالنے کی اجازت دی جائے: چوں کہ حکومت عمارت بنانے سے منع کر رہی ہے؛ اس لئے عدالت کے ذریعہ حکومت کو حکم نامہ جاری کیا جائے؛ لیکن ۲۴/دسمبر ۱۸۸۵ء کو فیض آباد کے سب جج پنڈت ہری کشن نے اس مقدمہ کو یہ کہہ کر خارج کر دیا کہ مسجد کے سامنے مندر بننے سے ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان خون خرابہ ہوگا، اس وجہ سے اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی ہے، اس فیصلہ کے خلاف رگھو بر داس نے فیض آباد کے ضلع جج کرنل جے آریہ کی عدالت میں اپیل کی؛ لیکن ۱۶/مارچ ۱۸۸۶ء کو کورٹ کے ذریعہ اس جگہ کے معائنہ کے بعد اس اپیل کو بھی خارج کر دیا گیا، رگھو بر داس نے ایک بار پھر جوڈیشنل کمشنر کی عدالت میں اپیل کی؛ لیکن وہاں سے بھی یکم نومبر ۱۸۸۶ء کو یہ اپیل خارج ہوگئی، مگر اس پورے عرصہ میں مسجد کی جگہ مندر ہونے کا کوئی دعویٰ پیش نہیں ہوا، ۱۹۳۴ء کو فیض آباد کے فرقہ وارانہ فساد میں مسجد کو نقصان پہنچایا گیا، ۲۲ اور ۲۳/دسمبر ۱۹۴۹ء کی تاریک سرد رات میں رام للا کی مورتی زبردستی مسجد کے منبر پر رکھ دی گئی، کانسٹبل ماتا پرساد نے اس کے لئے تھانہ میں ایف آئی آر درج کروائی اور پولیس افسر انچارج رام دوبے نے تین نامزد لوگ سمیت ۵۰ تا ۶۰ نامعلوم افراد کے خلاف تحریر کیا کہ یہ لوگ تالا توڑ کر مسجد میں داخل ہوئے، مسجد کو ناپاک کیا اور زبردستی مورتی اس کے اندر رکھ دی؛ لیکن اس پر اعلیٰ افسران کی جانب سے بغیر کسی کارروائی کے مسجد کو متنازعہ قرار دیتے ہوئے اس کے دروازہ پر تالا لگا کر مسجد کے اندر کسی بھی فریق کے داخلہ پر پابندی عائد کردی اور مسجد کے ۵۰۰ میٹر کی دُوری تک مسلمانوں کا داخلہ ممنوع قرار دیا گیا، ۱۹/جنوری ۱۹۵۱ء کو کورٹ سے بھی یہ بیان آیا کہ یہ مسجد ہے، جس میں مسلمان ۱۵۲۸ء سے لگاتار نماز ادا کرتے آرہے ہیں۔

(جاری ہے)

صُوَرٌ مِنْ حَيَاةِ الصَّحَابَة

زندگیاں صحابہ رضی اللہ عنہ کی

حضرت ابوہریرہ دوسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

’’جو شخص پیروی کرنا چاہے، اسے ان لوگوں کی پیروی کرنی چاہیے جو وفات پا چکے ہیں۔ اس لئے کہ آدمی جب تک زندہ رہتا ہے، اس کے فتنے میں پڑنے اور دین حق سے ہٹ جانے کا خطرہ رہتا ہے۔ وہ لوگ جن کی پیروی کرنی ہے؛ اصحابِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں، وہ لوگ اس امت کے افضل ترین افراد تھے، ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری تھی، وہ دین کا گہرا علم رکھتے تھے، اور تکلف سے دور تھے، ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی صحبت اور اپنے دین کی اقامت کے لیے منتخب فرمایا تھا۔ مسلمانو! تم ان کا مقام پہچانو، ان کے پیچھے چلو اور ان کے اخلاق و سیرت کو حتی الامکان مضبوطی سے پکڑو، اس لیے کہ وہ لوگ صراطِ مستقیم اور اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی راہِ ہدایت پر تھے۔‘‘ (حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ)

تصنیف: ڈاکٹر عبدالرحمٰن رأفت پاشا مرحوم (مصر)
مترجم: مولانا اقبال احمد قاسمی، یوکے اسلامک مشن

یقیناً آپ صحابۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سے اس کوکبِ درخشاں سے بخوبی واقف ہوں گے۔ کیا امت مسلمہ کا کوئی فرد ایسا بھی ہے جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ناواقف ہو؟ لوگ ان کو جاہلیت میں ’’عبد شمس‘‘ کے نام سے پکارتے تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو اسلام کی نعمت سے نوازا اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملاقات سے مشرف کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے پوچھا:

’’تمہارا نام کیا ہے؟‘‘

’’عبد شمس‘‘ انہوں نے جواب دیا۔

’’نہیں! بلکہ تمہارا نام عبدالرحمٰن ہے۔‘‘ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

’’ہاں، عبدالرحمٰن۔ اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔‘‘ انہوں نے عرض کیا۔

رہی ان کی کنیت ’’ابوہریرہ‘‘ تو اس کا سبب یہ ہے کہ بچپن میں ان کے پاس ایک بلی تھی، جس کے ساتھ وہ کھیلا کرتے تھے۔ اس کی وجہ سے ان کے ہم جولیوں نے انہیں ابوہریرہ کہنا شروع کر دیا اور بعد میں یہ کنیت اتنی مشہور ہوئی کہ ان کے نام پر غالب آ گئی۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ان کے تعلقات استوار ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بسا اوقات ان کو پیار سے ’’ابوہر‘‘ کہہ کر بلاتے۔ اسی لئے وہ خود بھی ’’ابوہر‘‘ کو ’’ابو ہریرہ‘‘ پر ترجیح دیتے اور کہتے کہ میرے محبوب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے اسی نام سے پکارتے تھے۔ ’’ہر‘‘ مذکر اور ’’ہریرہ‘‘ مونث ہے اور مذکر مونث سے اچھا ہوتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ حضرت طفیلؓ بن عمر دوسی کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوئے اور وہیں اپنے قبیلے میں مقیم رہے اور ۶ ہجری میں اپنے قبیلے بنی دوس کے ایک وفد کے ساتھ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور ہر چیز سے قطع تعلق کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اور صحبت کے لئے یکسو ہو گئے، مسجد نبوی کو جائے قیام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو امام بنا لیا، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں ان کے بیوی بچے نہیں تھے۔ صرف ان کو بوڑھی ماں تھیں جو اس وقت تک شرک پر مصر تھیں جن کی محبت اور خیرخواہی کے پیش نظر وہ برابر ان کو اسلام کی دعوت دیتے رہتے تھے مگر وہ ہمیشہ اس سے نفرت اور انکار کرتی رہتی تھیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیتے مگر ان کا دل غم سے کباب ہوتا رہتا۔

ایک روز انہوں نے اپنی ماں کو خدا اور رسول پر ایمان لانے کی دعوت دی تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق ایسے نازیبا الفاظ استعمال کئے جن کو سُن کر حضرت ابو ہریرہؓ کو سخت صدمہ پہنچا۔ وہ روتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو روتا دیکھ کر پوچھا: ’’کیا بات ہے ابو ہریرہ! کیوں رو رہے ہو؟‘‘

’’میں برابر اپنی ماں کو اسلام کی دعوت دیتا رہا۔ مگر وہ ہمیشہ انکار کرتی رہی۔ آج بھی جب میں نے اس کو دعوت دی تو اس نے مجھے سخت دل آزار بات سنائی۔ اے اللہ کے رسول! اللہ عزوجل سے دعا فرمائیے کہ وہ ابو ہریرہؓ کی ماں کو اسلام کی طرف

مائل کردے۔“ انہوں نے روتے ہوئے کہا۔

اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک دعا کے لئے بلند ہوگئے۔ حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ جب میں واپس گھر گیا تو دیکھا کہ دروازہ بند کیا ہوا ہے۔ اور مجھے اندر سے پانی گرنے کی آواز سنائی دی۔ جب میں نے اندر داخل ہونا چاہا تو ماں نے کہا کہ ابوہریرہؓ ابھی وہیں کھڑے رہو۔ پھر جب انہوں نے کپڑے پہن لئے تو کہا کہ اب اندر آجاؤ۔ جب میں اندر گیا تو انہوں نے کہا: ”اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھدان محمداًعبدہٗ ورسولہ۔“

میں آنکھوں میں خوشی کے آنسو لئے پھر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا جیسا کہ تھوڑی دیر پہلے غم سے آنسو بہاتا ہوا گیا تھا، اور عرض کیا کہ اللہ کے رسول خوش ہوجایئے، اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا سن لی اور ابوہریرہؓ کی ماں کو اسلام کی ہدایت دے دی۔

حضرت ابوہریرہؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایسی گہری محبت تھی جو ان کے رگ وپے میں سرایت کرچکی تھی۔ وہ آپ کے دیدار سے کبھی آسودہ نہیں ہوتے تھے۔ وہ کہا کرتے تھے: ”مارأیت شیئًا املح واصبح من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حتی لکان الشمس تجری فی وجھہ۔“

ترجمہ: ”میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ دلفریب اور خوبصورت کوئی چیز نہیں دیکھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے رُخِ تاباں میں سُورج گردش کررہا ہے۔“

وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا شکر ادا کرتے رہتے تھے کہ اس نے ان کو اپنے دین کی اتباع کی توفیق عطا فرمائی۔ وہ کہتے تھے: ”شکر ہے اس خدا کا جس نے ابوہریرہ کو اسلام کی ہدایت بخشی، شکر ہے اس خدا کا جس نے ابوہریرہؓ کو قرآن کا علم دیا اور شکر ہے اس خدا کا جس نے ابوہریرہؓ کو اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت سے نوازا۔“

حضرت ابوہریرہؓ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بے پناہ محبت رکھتے تھے، اسی طرح وہ علم کے بھی بڑے شیدائی تھے۔ انہوں نے اس کو اپنا روزمرہ کا معمول بلکہ اپنی زندگی کا منتہاءِ مقصود بنا رکھا تھا۔ حضرت زید ابن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ”ایک روز میں، ابوہریرہؓ اور میرا ایک ساتھی، تینوں آدمی مسجد نبوی میں بیٹھے ذکر ودعا میں مصروف تھے۔ اسی دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حجرۂ مبارک سے نمودار ہوئے اور آکر ہمارے ساتھ بیٹھ گئے۔ جب ہم خاموش ہوگئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”اپنا سلسلہ جاری رکھو۔“

تب میں نے اور میرے ساتھی نے ابوہریرہؓ سے پہلے دعا مانگی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہماری دعاؤں پر آمین کہا۔ اس کے بعد ابوہریرہؓ نے دعا کی: ”اے اللہ! میں تجھ سے وہ چیزیں بھی مانگتا ہوں جو میرے ان دونوں ساتھیوں نے مانگی ہیں اور میں تجھ سے نہ بھولنے والا علم مانگتا ہوں۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی دعا پر بھی آمین کہی۔ اس کے بعد ہم دونوں نے کہا کہ ہم بھی اللہ تعالیٰ سے نہ بھولنے والا علم مانگتے ہیں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”سبقکم بھا الغلام الدوسی۔“ (یہ دوسی نوجوان تم لوگوں سے بازی لے گیا)۔

حضرت ابوہریرہؓ جس طرح علم کو اپنے لئے پسند کرتے تھے اسی طرح دوسروں کے لئے بھی پسند کرتے تھے۔ ایک روز ان کا گزر مدینہ کے بازار میں ہوا، وہ لوگوں کی دنیاوی مصروفیت اور خرید وفروخت اور لین دین میں ان کے انہماک کو دیکھ کر گھبرا گئے۔ انہوں نے لوگوں کے سامنے کھڑے ہوکر کہا: ”اے اہل مدینہ! تم لوگ کتنے عاجز اور ناکام ہو۔“

”ابوہریرہؓ! آپ نے ہماری کون سی عاجزی اور ناکامی دیکھی؟“ لوگوں نے پوچھا۔

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میراث تقسیم ہورہی ہے اور تم لوگ یہاں ہو۔ جاکر اپنا حصہ لیتے کیوں نہیں؟“ حضرت ابوہریرہؓ نے کہا۔ ”ابوہریرہ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میراث کہاں تقسیم ہورہی ہے؟“ انہوں نے پوچھا۔ ”مسجد میں۔“ حضرت ابوہریرہؓ نے جواب دیا۔

یہ سن کر لوگ تیزی سے مسجد کی طرف دوڑے اور حضرت ابوہریرہؓ ان کے انتظار میں وہیں کھڑے رہے۔ جب ان لوگوں نے واپس آکر ان سے کہا کہ ہم لوگ مسجد میں گئے تھے مگر وہاں تو ہم نے کوئی چیز تقسیم ہوتے ہوئے نہیں دیکھی تو حضرت ابوہریرہؓ نے کہا: ”کیا تم لوگوں نے مسجد میں کسی کو نہیں دیکھا؟“ ”کیوں نہیں! ہم نے وہاں دیکھا کہ کچھ لوگ نماز پڑھ رہے ہیں، کچھ تلاوتِ قرآن میں مصروف ہیں اور کچھ لوگ حلال وحرام کے متعلق بحث ومباحثہ کررہے ہیں۔“ ان لوگوں نے جواب دیا۔

”تم لوگوں کا بھلا ہو، وہی تو ہے محمد صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم کی میراث۔‘‘حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا۔اپنی غیر معمولی علمی مصروفیت وانہماک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلسوں کی پابندی کی وجہ سے بھوک،فاقہ کشی اور زندگی کی جو سختیاں حضرت ابوہریرہؓ نے جھیلیں،شاید ہی کسی دوسرے نے جھیلی ہوں، وہ اپنے متعلق بیان کرتے ہیں:’’مجھے اتنی شدت کی بھوک لگتی تھی کہ بیتاب ہوکر میں اصحابِ رسول میں سے کسی صاحب سے قرآن کی کسی آیت کے متعلق پوچھتا تھا....حالانکہ میں اسے اچھی طرح جانتا ہوتا.... تاکہ وہ مجھے اپنے گھر لے جا کر کچھ کھلائیں۔ایک روز تو مجھے ایسی زور کی بھوک لگی کہ میں نے اپنے پیٹ پر پتھر باندھ لیا۔پھر میں صحابہ کرامؓ کے راستے پر بیٹھ گیا۔سب سے پہلے ادھر سے ابوبکر صدیقؓ کا گزر ہوا۔میں نے کتاب اللہ کی ایک آیت کے متعلق ان سے دریافت کیا اور یہ سوال میں نے صرف اس لئے کیا تھا کہ وہ مجھے اپنے گھر بلائیں،مگر انہوں نے نہیں بلایا۔پھر عمرؓ بن خطاب میری طرف سے گزرے، میں نے ان سے بھی ایک آیت کے بارے میں پوچھا۔ لیکن انہوں نے بھی مجھے کھانے کے لئے نہیں پوچھا،پھر وہ گزرگاہ رحمت مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقوشِ پا سے منور ہوئی۔وہ مجھے دیکھتے ہی سمجھ گئے کہ میں بھوک سے بے حال ہوں، انہوں نے پیار بھرے لہجے میں کہا:’’ابوہریرہ؟‘‘

’’لبیک یا رسول اللہ‘‘ میں نے کہا اور پھر پیچھے پیچھے چلتا ہوا، آپ کے ساتھ آپ کے گھر میں داخل ہوگیا۔وہاں آپ نے ایک پیالے میں دودھ دیکھ کر گھر والوں سے پوچھا:’’یہ دودھ تم لوگوں کو کہاں سے ملا؟‘‘

’’یہ فلاں صاحب نے آپ کے واسطے بھیجا ہے۔‘‘ انہوں نے بتایا۔تب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا:’’ابوہریرہ! جاؤ تم اہل صفہ کو بلالاؤ۔‘‘

آپ کا مجھے ان سب لوگوں کو بلانے کے لئے بھیجنا اچھا نہیں معلوم ہوا۔ میں نے دل میں سوچا کہ اتنے سے دودھ سے اہل صفہ کا کیا بنے گا۔ میں چاہتا تھا کہ اس میں سے کچھ پی لوں تاکہ مجھے سہارا مل جائے پھر ان لوگوں کو بلانے جاؤں۔ بہرحال میں ان لوگوں کو بلا کر لے گیا۔ جب وہ سب لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھ گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:’’ابوہریرہؓ! یہ لو اور اسے سب لوگوں کو پلاؤ۔‘‘ میں وہ پیالہ باری باری ہر ایک کو دیتا گیا، یہاں تک کہ سب نے آسودہ ہوکر پی لیا۔اب میں نے پیالہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پیش کیا۔ آپ نے سر مبارک اٹھایا اور میری طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے فرمایا:’’اب میں اور تم، صرف دو آدمی بچ گئے ہیں۔‘‘’’جی ہاں! اللہ کے رسول! آپ نے سچ فرمایا۔‘‘ میں نے عرض کیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:’’پیو‘‘ میں نے پیا۔ پھر فرمایا:’’اور پیو‘‘ میں نے اور پی لیا۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم برابر’’اور پیو، اور پیو۔‘‘ کہتے رہے اور میں پیتا رہا۔ یہاں تک کہ میں پورے طور پر شکم سیر ہوگیا اور عرض کیا:’’قسم اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے۔اب بالکل گنجائش نہیں ہے۔‘‘

’’تب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیالہ لے کر باقی بچے ہوئے دودھ کو خود پیا۔‘‘

اس واقعے کو گزرے ابھی زیادہ مدت نہیں ہوئی تھی کہ اسلامی فتوحات کے نتیجے میں ہاتھ آنے والے غنائم کے سبب مسلمانوں میں مال ودولت کی فراوانی ہوگئی اور حضرت ابوہریرہؓ کے پاس بھی مال و دولت، مکان و اسباب اور بیوی بچے ہر چیز ہوگئی۔مگر یہ ساری چیزیں مل کر بھی نہ تو ان کی فطرت اور طبیعت میں ذرہ برابر کوئی تغیر پیدا کرسکیں نہ گزرے ہوئے دنوں کی یاد کو ان کے لوحِ دل سے محو کرنے میں کامیاب ہوسکیں، وہ اکثر یہ بات کہا کرتے تھے:’’میں نے حالتِ یتیمی میں پرورش پائی اور مسکینی کی حالت میں ہجرت کی، میں صرف پیٹ کی روٹی کے عوض بُسرہ بنتِ غزوان کے یہاں مزدوری کرتا تھا۔ میں حضر میں ان لوگوں کی خدمت کرتا اور سفر میں ان کے اونٹوں کو ہانکتا، پھر اللہ تعالیٰ نے اسی کے ساتھ میری شادی کرادی،شکر ہے اس خدا کا جس نے اپنے دین کے ذریعے سارے حالات درست کر دیئے اور ابوہریرہؓ کو والی بنادیا۔‘‘

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ ابن ابی سفیانؓ کی طرف سے کئی بار مدینۂ منورہ کے والی بنائے گئے۔مگر گورنری کا یہ عہدہ بھی ان کی نرم مزاجی اور سادگی میں کوئی تبدیلی نہیں پیدا کرسکا۔ایک بار اپنی گورنری کے زمانے میں وہ اپنے گھر والوں کے لئے لکڑیوں کا ایک بوجھ پیٹھ پر لادے مدینہ کے راستوں سے گزر رہے تھے۔ جب ان کا گزر ثعلبہ ابن مالک کی طرف سے ہوا تو بولے:’’مالک کے بیٹے! گورنر کو جانے کے لئے راستہ دے دو۔‘‘

’’اللہ آپ پر رحم فرمائے،کیا اتنی ساری جگہ آپ کے گزرنے کے واسطے کافی نہیں ہے؟‘‘

ابن مالک نے کہا۔ تو انہوں نے کہا: ''گورنر کے ساتھ اس گھٹڑ کے لئے بھی راستہ دو جو اس کی پیٹھ پر لدا ہوا ہے۔''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی شخصیت میں وفورِ علم اور نرم مزاجی کے ساتھ تقویٰ اور پرہیز گاری کی وافر مقدار بھی جمع ہوگئی تھی۔ وہ دن کو روزہ رکھتے اور تہائی رات تک عبادت اور ذکر الٰہی میں مصروف رہتے، پھر اپنی بیوی کو بیدار کر دیتے جو رات کا دوسرا تہائی حصہ عبادت میں گزارتیں پھر وہ اپنی بیٹی کو جگا دیتیں اور وہ رات کے آخری حصے میں قیام کرتیں۔ اس طرح ان کے گھر میں عبادت کا سلسلہ رات بھر جاری رہتا۔

ان کے پاس ایک حبشن لونڈی تھی۔ ایک دفعہ اس سے کوئی ایسی نازیبا حرکت سرزد ہوگئی، جس سے ان کو اور گھر والوں کو بڑا رنج ہوا۔ انہوں نے اس کو مارنے کے لئے کوڑا اٹھایا۔ پھر رُک گئے اور کوڑا رکھتے ہوئے لونڈی سے کہا: ''اگر قیامت کے دن قصاص کا ڈر نہ ہوتا تو جو اذیت تو نے ہمیں پہنچائی ہے، میں تجھے ضرور اس کی سزا دیتا لیکن میں تجھ کو ایک ایسی ہستی کے ہاتھ فروخت کروں گا جو تیری قیمت مجھے اس روز ادا کرے گی جب میں اس کا سب سے زیادہ ضرورت مند ہوں گا، جا تو اللہ تعالیٰ کے لئے آزاد ہے۔''

ان کی صاحبزادی ان سے کہتی تھیں: ''ابا جان! میری ہم جولی لڑکیاں مجھے طعنہ دیتی ہیں، وہ کہتی ہیں کہ تیرے ابا تجھے سونے کے زیورات کیوں نہیں پہناتے؟'' تو وہ جواب دیتے: ''بیٹی! ان سے کہہ دینا کہ میرے والد میرے اُوپر جہنم کی آگ سے ڈرتے ہیں۔''

حضرت ابو ہریرہؓ کا اپنی بیٹی کو سونے کے زیورات نہ پہنانا کسی بخالت یا مالی طمع کی وجہ سے نہیں تھا کیونکہ وہ انفاق فی سبیل اللہ میں نہایت فیاض اور بڑے کشادہ دل واقع ہوئے تھے۔

ایک دفعہ مروان ابن حکم نے ان کے پاس ایک سو دینار بھجوائے اور دوسرے دن کہلا بھیجا کہ خادم نے غلطی سے وہ رقم آپ کو دیدی حالانکہ میں نے آپ کے یہاں نہیں کسی دوسرے کے یہاں بھجوائی تھی۔ اس لئے وہ رقم واپس بھیج دیجئے۔ یہ سن کر وہ سخت نادم ہوئے اور مروان کے یہاں کہلا بھیجا کہ: ''میں نے وہ ساری رقم خدا کی راہ میں خرچ کردی۔ اس میں سے ایک دینار بھی میرے پاس باقی نہیں بچا ہے۔ جب بیت المال سے میرا وظیفہ برآمد ہو تو اس میں سے یہ رقم وضع کرلینا۔'' دراصل مروان نے ایسا صرف ان کو آزمانے کے لئے کیا تھا، مگر جب پتہ لگا تو اس کو صحیح پایا۔

حضرت ابو ہریرہؓ زندگی بھر اپنی والدہ کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کرتے رہے۔ جب وہ گھر سے نکلنے کا ارادہ کرتے تو سب سے پہلے ان کے حجرے کے دروازے پر کھڑے ہوکر کہتے:

''امی جان! السلام علیک ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔''

''میرے بیٹے! وعلیک السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔'' وہ جواب دیتیں۔

پھر وہ کہتے: ''اللہ آپ پر رحم فرمائے جیسا کہ آپ نے بچپن میں میری پرورش کی۔''

تو وہ جواب میں کہتیں: ''اور اللہ تعالیٰ تمہارے اوپر بھی رحم کرے جیسا کہ تم نے بڑھاپے میں میرے ساتھ حسن سلوک کیا۔''

حضرت ابو ہریرہؓ کو اس بات سے غیر معمولی دلچسپی تھی کہ وہ لوگوں کو اپنے والد کے ساتھ حسن سلوک اور صلۂ رحمی کی دعوت دیں۔

ایک روز انہوں نے دو آدمیوں کو جاتے ہوئے دیکھا۔ ان میں سے ایک دوسرے سے سن رسیدہ تھا۔ انہوں نے چھوٹی عمر والے سے پوچھا: ''یہ آدمی تمہارا کون ہے؟''

''یہ میرے والد ہیں۔'' اس نے جواب دیا۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے اس کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: ''ان کا نام لے کر نہ بلانا، ان کے آگے نہ چلنا اور ان سے پہلے نہ بیٹھنا۔''

حضرت ابو ہریرہؓ جب مرض الموت میں مبتلا ہوئے اور ان کا آخری وقت آگیا تو رو پڑے، جب ان سے رونے کا سبب دریافت کیا گیا تو بولے: ''میں تمہاری اس دنیا کے لیے نہیں رو رہا ہوں بلکہ دوریٔ منزل اور قلتِ زاد کی وجہ سے رو رہا ہوں۔ میں ایک ایسے راستے کے آخری سرے پر کھڑا ہوں جو مجھے جنت یا دوزخ میں پہنچانے والا ہے اور مجھے اس بات کا قطعی کوئی علم نہیں ہے کہ میں ان دونوں میں سے کس میں پہنچوں گا۔''

مروان بن حکم عیادت کے لئے آیا تو ان سے کہا: ''ابو ہریرہؓ! اللہ تعالیٰ آپ کو شفا دے۔'' تو انہوں نے کہا: ''خدایا! میں تیری ملاقات کو محبوب رکھتا ہوں، تو بھی میری ملاقات کو پسند فرما اور اس میں جلدی کر۔'' اور مروان کی واپسی سے پہلے ہی ان کی یہ دعا درِ قبولیت کو دستک دے چکی تھی۔

اللہ تعالیٰ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اپنی رحمت کا دامن وسیع کرے۔ انہوں نے مسلمانوں کے لئے (اکثر محدثین ان کی مرویات کی تعداد پانچ ہزار تین سو چوہتر بیان کرتے ہیں)، ایک ہزار چھ سو نوے سے زیادہ احادیث یاد کیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو اسلام اور مسلمانوں کی طرف سے بہترین اجر عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین، یا الٰہ العالمین۔☆

کھانا کھانے کے چند آداب

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ

''حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰہِ بْنُ الصَّبَّاحِ الْھَاشِمِیُّ ثَنَا عَبْدُالْأَعْلٰی عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ ھِشَامِ بْنِ عُرْوَۃَ عَنْ أَبِیْہِ عَنْ عُمَرَ بْنِ أَبِیْ سَلَمَۃَ أَنَّہٗ دَخَلَ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَعِنْدَہٗ طَعَامٌ قَالَ: اُدْنُ یَا بُنَیَّ! فَسَمِّ اللّٰہَ، وَکُلْ بِیَمِیْنِکَ وَکُلْ مِمَّا یَلِیْکَ۔ وَقَدْ رُوِیَ عَنْ ھِشَامِ بْنِ عُرْوَۃَ عَنْ أَبِیْ وَجْزَۃَ السَّعْدِیِّ عَنْ رَجُلٍ مِنْ مُزَیْنَۃَ عَنْ عُمَرَ بْنِ أَبِیْ سَلَمَۃَ، وَقَدِ اخْتَلَفَ أَصْحَابُ ھِشَامِ بْنِ عُرْوَۃَ فِیْ رِوَایَۃِ ھٰذَا الْحَدِیْثِ وَأَبُوْ وَجْزَۃَ السَّعْدِیُّ اسْمُہٗ یَزِیْدُ بْنُ عُبَیْدٍ۔''

(ترمذی،ج:۲،ص:۷،۸)

ترجمہ:.... ''حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھانا رکھا تھا، فرمایا: بیٹا! قریب ہوجاؤ، بسم اللہ شریف پڑھو اور دائیں ہاتھ سے کھاؤ، اور اپنے آگے سے کھاؤ''

تشریح:.... حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہما، اُمّ المؤمنین اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کے صاحبزادے ہیں، جب اُمّ المؤمنین رضی اللہ عنہا کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عقد ہوا تو یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت وتربیت میں آ گئے، اس لئے ان کو ''بیٹا'' فرمایا۔

اس حدیث شریف سے کھانے کے چند آداب معلوم ہوئے:

۱:.... بسم اللہ شریف کے ساتھ کھانا شروع کیا جائے۔

۲:.... دائیں ہاتھ سے کھایا جائے۔

۳:.... اپنے آگے سے کھایا جائے۔

ان آداب کو بہت سی احادیث شریفہ میں بیان فرمایا گیا ہے، اس حدیث شریف سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بچوں کو آداب اور مکارمِ اخلاق کی تعلیم دینی چاہئے۔

۱:.... ''حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ ثَنَا الْعَلَاءُ بْنُ الْفَضْلِ بْنِ عَبْدِالْمَلِکِ بْنِ أَبِیْ سَوِیَّۃَ أَبُو الْھُذَیْلِ قَالَ: ثَنِیْ عُبَیْدُاللّٰہِ بْنُ عِکْرَاشٍ عَنْ أَبِیْہِ عِکْرَاشِ بْنِ ذُؤَیْبٍ قَالَ: بَعَثَنِیْ بَنُوْ مُرَّۃَ بْنِ عُبَیْدٍ بِصَدَقَاتِ أَمْوَالِھِمْ إِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَدِمْتُ عَلَیْہِ الْمَدِیْنَۃَ فَوَجَدْتُہٗ جَالِسًا بَیْنَ الْمُھَاجِرِیْنَ وَالْأَنْصَارِ، قَالَ: ثُمَّ أَخَذَ بِیَدِیْ فَانْطَلَقَ بِیْ إِلٰی بَیْتِ أُمِّ سَلَمَۃَ فَقَالَ: ھَلْ مِنْ طَعَامٍ؟ فَأُتِیْنَا بِجَفْنَۃٍ کَثِیْرَۃِ الثَّرِیْدِ وَالْوَذْرِ، وَأَقْبَلْنَا نَأْکُلُ مِنْھَا فَخَبَطْتُ بِیَدِیْ فِیْ نَوَاحِیْھَا وَأَکَلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنْ بَیْنِ یَدَیْہِ فَقَبَضَ بِیَدِہِ الْیُسْرٰی عَلٰی یَدِی الْیُمْنٰی ثُمَّ قَالَ: یَا عِکْرَاشُ! کُلْ مِنْ مَوْضِعٍ وَاحِدٍ فَإِنَّہٗ طَعَامٌ وَاحِدٌ۔ ثُمَّ أُتِیْنَا بِطَبَقٍ فِیْہِ أَلْوَانُ التَّمْرِ وَالرُّطَبِ، شَکَّ عُبَیْدُاللّٰہِ فَجَعَلْتُ اٰکُلُ مِنْ بَیْنِ یَدَیَّ وَجَالَتْ یَدُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِی الطَّبَقِ وَقَالَ: یَا عِکْرَاشُ! کُلْ مِنْ حَیْثُ شِئْتَ، فَإِنَّہٗ غَیْرُ لَوْنٍ وَاحِدٍ۔ ثُمَّ أُتِیْنَا بِمَاءٍ فَغَسَلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَدَیْہِ وَمَسَحَ بِبَلَلِ کَفَّیْہِ وَجْھَہٗ وَذِرَاعَیْہِ وَرَأْسَہٗ وَقَالَ: یَا عِکْرَاشُ! ھٰذَا الْوُضُوْءُ مِمَّا غَیَّرَتِ النَّارُ۔''

(ترمذی،ج:۲،ص:۸)

ترجمہ:.... ''حضرت عکراش بن ذُوَیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: مجھے بنو مرۃ بن عبید کے لوگوں نے اپنے صدقات دے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا، میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ آیا تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حالت میں پایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین و انصار کے درمیان تشریف فرما ہیں، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے ساتھ لے کر حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف

لائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی کھانا ہے؟ پس ایک بڑا پیالہ لایا گیا، جس میں بہت سا ثرید تھا اور گوشت کے ٹکڑے تھے، پس ہم اس سے کھانے لگے، پس میں تو اپنے ہاتھ برتن کے چاروں طرف گھمارہا تھا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آگے سے تناول فرمارہے تھے، پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بائیں ہاتھ سے میرا دایاں ہاتھ پکڑلیا، پھر فرمایا: عکراش! ایک جگہ سے کھاؤ، کیونکہ یہ سارا ایک ہی کھانا ہے۔ پھر ہمارے پاس ایک طبق (تھال) لایا گیا جس میں مختلف اقسام کی کھجوریں تھیں (کچھ پختہ، کچھ نیم پختہ) پس میں تو اپنے آگے سے کھانے لگا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ مبارک پورے طبق میں گھوم رہا تھا، فرمایا: عکراش! جہاں سے چاہو کھاؤ! کیونکہ یہ ساری ایک قسم کی نہیں ہیں، پھر ہمارے پاس پانی لایا گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ دھوئے، اور ہاتھوں کی تری اپنے چہرے پر، کلائیوں پر اور سر پر مل لی، اور فرمایا: اے عکراش! یہ وضو ہے جو آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے کے بعد کیا جاتا ہے۔“

تشریح:.... اس حدیث شریف سے کھانے کے چند آداب معلوم ہوئے:

۱:....اگر کھانا یکساں ہو تو اپنے آگے سے کھایا جائے، اور اگر کھجوریں وغیرہ ایسی چیز ہو جو مختلف ہوتی ہیں تو اپنے ذوق کے مطابق انتخاب کرسکتے ہیں۔

۲:.... کھانے کے بعد ہاتھ دھونا مسنون ہے۔

۳:....ہاتھوں پر جو چکنائی لگی رہ جاتی ہے اس کو چہرے پر، کلائیوں پر، سر پر اور پاؤں کے تلووں پر مل لیا جائے۔

۴:.... جن احادیث میں آگ کی پکی ہوئی چیز کھانے کے بعد وضو کرنے کا حکم آیا ہے، اس سے ہاتھ دھونا اور منہ صاف کرنا مراد ہے، جو وضو نماز کے لئے کیا جاتا ہے وہ مراد نہیں۔

۲:....”حَدَّثَنَا أَبُوْ بَكْرٍ مُحَمَّدُ بْنُ أَبَانَ ثَنَا وَكِيعٌ ثَنَا هِشَامٌ الدَّسْتَوَائِيُّ عَنْ بُدَيْلِ بْنِ مَيْسَرَةَ الْعُقَيْلِيِّ عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عُبَيْدِ بْنِ عُمَيْرٍ عَنْ أُمِّ كُلْثُوْمٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا أَكَلَ أَحَدُكُمْ طَعَامًا فَلْيَقُلْ بِسْمِ اللهِ، فَإِنْ نَسِيَ فِيْ أَوَّلِهٖ فَلْيَقُلْ بِسْمِ اللهِ فِيْ أَوَّلِهٖ وَاٰخِرِهٖ، وَبِهٰذَا الْإِسْنَادِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْكُلُ طَعَامًا فِيْ سِتَّةٍ مِنْ أَصْحَابِهٖ، فَجَاءَ أَعْرَابِيٌّ فَأَكَلَهٗ بِلُقْمَتَيْنِ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَمَا إِنَّهٗ لَوْ سَمّٰى لَكَفَاكُمْ۔ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ۔“

(ترمذی، ج:۲، ص:۸)

ترجمہ:....”حضرت اُمّ المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جب تم میں سے کوئی شخص کھانا کھائے تو پہلے بسم اللہ پڑھے، پس اگر شروع میں بسم اللہ شریف پڑھنا بھول جائے تو یاد آنے پر یوں کہے: ”بِسْمِ اللهِ فِيْ أَوَّلِهٖ وَاٰخِرِهٖ“ (میں اللہ تعالیٰ کے پاک نام کے ساتھ کھاتا ہوں، کھانے کے اوّل میں بھی اور آخر میں بھی)۔ نیز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چھ رُفقاء کے ساتھ کھانا تناول فرمارہے تھے کہ اتنے میں ایک دیہاتی آکر کھانے میں شریک ہوگیا، اس نے دو لقمے کھائے کہ کھانا ختم ہوگیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آگاہ رہو! اگر اس شخص نے بسم اللہ شریف پڑھ لی ہوتی تو یہ کھانا تم سب کو کافی ہوجاتا۔“

تشریح:.... اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ اگر کسی کو کھانے کے شروع میں بسم اللہ شریف پڑھنا یاد نہ رہے تو یاد آنے پر بسم اللہ فی اوّلہٖ وآخرہٖ کہنا چاہئے۔ شیخ ابنِ ہمام رحمہ اللہ نے ”فتح القدیر“ میں تحریر فرمایا ہے کہ: اگر کھانے کے درمیان یہ دُعا پڑھ لی جائے تو بسم اللہ شریف پڑھنے کی سنت ادا ہوجائے گی، کیونکہ کھانے کا ہر لقمہ گویا مستقل کھانا ہے، لیکن اگر وضو سے پہلے بسم اللہ شریف پڑھنا یاد نہیں رہا تو درمیان میں بسم اللہ شریف پڑھنے سے سنت ادا نہیں ہوگی۔

اس حدیث شریف سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بسم اللہ شریف کا کھانے کے شروع میں پڑھنا موجبِ برکت ہے، اور بسم اللہ شریف کا ترک کردینا بے برکتی کا باعث ہے۔

یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کھانے میں چند اَفراد شریک ہوں تو سب کو بسم اللہ شریف پڑھنی چاہئے، ورنہ کسی ایک کے ترک کردینے سے پوری جماعت کے حق میں بے برکتی ظاہر ہوگی، واللہ اعلم!

☆☆ .... ☆☆

دورِ حاضر کا عظیم فتنہ

اسمارٹ فون

قسط:۴

ازافادات:..... حضرت فیروز عبداللہ میمن مدظلہ

اسمارٹ فون: ویڈیو اور تصویر کشی کو پھیلانے کا آلہ

علماء کا میڈیا پر آنے کا نقصان: میڈیا اور چینلز پر جو لوگ آکر دین کی بات بتاتے ہیں، جہاں ان لوگوں کے نزدیک مثبت پہلو ہے وہاں نقصانات بھی بہت زیادہ ہیں مثلاً علماء کے عمل کو لوگ دوسرے گناہوں کے لئے حجت اور دلیل بناتے ہیں جیسے خواتین کہتی ہیں کہ ٹی وی پر جب ہم ان عالم صاحب کو دیکھ سکتی ہیں تو ڈراموں اور فلموں کے مَردوں کو کیوں نہیں دیکھ سکتیں؟ پھر دیور، بہنوئی وغیرہ کو دیکھنے میں کیا حرج ہے؟ اب اگر تصویر اور ویڈیو بنانے سے منع کرو تو فوراً کہہ دیتے ہیں کہ فلاں صاحب جو ٹی وی پر آتے ہیں، کیا آپ ان سے بڑھ گئے؟ کئی مستند علماء کے نزدیک ناجائز ذرائع سے دین کی اشاعت جائز نہیں اور اس میں دین کی بے حرمتی ہے، جیسے کسی چمچے پر لاکھوں روپے کے ہیرے لگے ہوں اور اس سے بچے کا پاخانہ صاف کیا جائے اور پھر دھو کر اسی چمچے سے مہمان کو حلوہ پیش کریں تو وہ ہرگز نہیں کھائے گا، تو جس آلۂ لہو ولعب پر گناہ نشر ہوتے ہوں، اس پر دین کی بات پیش کرنا کتنا بُرا فعل ہے۔

دین میڈیا کا محتاج نہیں: بعض لوگ میڈیا کو اتنا بڑھاتے ہیں کہ اس کے بغیر دین کی خدمت اور اشاعت شاید ممکن نہیں۔ اگر واقعی ایسا ہوتا تو اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کے زمانے میں میڈیا پیدا فرما سکتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے دکھادیا کہ میرا دین میڈیا کا محتاج نہیں۔ دین کی خدمت کے لئے تقویٰ، اخلاص اور تڑپ ضروری ہے، جس کی وجہ سے آج اللہ تعالیٰ نے حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ، تبلیغی جماعت کے بانی حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ، میرے شیخ عارف باللہ حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحبؒ اور بہت سے اللہ والوں کا دردِ دل بغیر کسی میڈیا کے پورے عالم میں پھیلا دیا۔ جن آلات کی ایجاد گناہ، کفر والحاد اور شر کے لئے ہو اس سے خیر کی توقع رکھنے کی امید نہیں، کوئی بتائے کہ اب تک ان چینلز سے کتنے لوگ کامل مسلمان بنے؟ برعکس اس کے گمراہ فرقے، گمراہ لوگ اور زیادہ نمایاں ہوگئے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ: بعض دیندار لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ ہم ٹی وی نیوز چینلز پر صرف خبریں سنتے ہیں، کوئی غلط چیز دیکھتے نہیں۔ ایسے لوگوں کو بھی ہوش کے ناخن لینا چاہئے کہ خبرنامہ سنتے ہیں یا دیکھتے ہیں؟ خبریں پڑھنے والا مرد ہے یا عورت؟ اس کے علاوہ ٹی وی میں جو خرافات ہیں کیا ان کا دیکھنا جائز ہے؟

یہ غلط فہمی کہ ٹی وی پر میچ دیکھنے میں کیا مضائقہ ہے؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ کرکٹ یا دوسرے کھیل ٹی وی یا موبائل پر دیکھنے میں کیا مضائقہ ہے؟ تو فتویٰ معلوم کرلیں کہ فٹ بال یا ایسے کھیل دیکھنے کا کیا حکم ہے جن میں کھلاڑیوں کا ستر نظر آتا ہے، کرکٹ میں چست لباس پہنا ہوتا ہے، تمام کھیلوں میں گندے اشتہارات آتے ہیں، مستقل موسیقی بجتی ہے، بے پردہ خواتین پر کیمرہ فوکس کیا جاتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ کئی گناہ اس میں جمع ہوتے ہیں، اب جواز کی کیا صورت بچ گئی؟ میچ ہارنے کی صورت میں غیبت اور بہتان بازی شروع ہوجاتی ہے کہ سٹہ تھا، پیسے لے کر میچ ہار گئے وغیرہ، اگر قیامت کے دن ہم سے دلیل مانگی گئی تو اللہ تعالیٰ کو کیا جواب دیں گے؟

ڈیجیٹل تصویر کے متعلق بڑے مدارس کی رائے: کیمرے کا استعمال بھی آج کل اسی موبائل کے ذریعہ سے زیادہ ہوتا ہے۔ پھر اس کیمرے کے ذریعہ جو جو خرافات ہوتی ہیں میں بتا بھی نہیں سکتا۔ جو حرام عشق میں مبتلا ہیں، وہ اس ویب کیمرے سے کیا کیا بدمعاشیاں کررہے ہیں، سن کر شرم آئے گی، اور جو حرام عشق میں مبتلا نہیں ہیں ان سے بھی نظر کی احتیاط کہاں ہورہی ہے؟ کتنا وقت اس میں ضائع کررہے ہیں۔ اس کی وجہ سے تصویر کشی اور ویڈیو بنانے کی عادت

پڑگئی ہے، جس کے بارے میں دارالعلوم دیوبند، مظاہرالعلوم سہارنپور، جامعہ بنوری ٹاؤن کراچی، جامعہ فاروقیہ کراچی، جامعہ اشرفیہ لاہور، جامعہ خلفائے راشدین کراچی، جامعہ یاسین القرآن کراچی، دارالعلوم کبیر والا ملتان، دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک اور دیگر بڑے بڑے مدارس کے متعدد مفتی صاحبان کا فتویٰ ہے کہ کسی بھی جاندار کی ڈیجیٹل نان ڈیجیٹل تصویر اور ویڈیو حرام ہے۔ ویب کیمرے کے بارے میں بنوری ٹاؤن کا فتویٰ ہے کہ اس کا استعمال جائز ہی نہیں۔

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا اہم ملفوظ:

”جب علماء کسی فعل کے جواز وعدمِ جواز میں اختلاف کریں اور کوئی اسے واجب اور ضروری نہ کہے تو ایمان کی سلامتی اسی میں ہے کہ اس فعل کو ترک کردے کیونکہ اختلاف سے دل میں کھٹک ضرور پیدا ہوگی اور شریعت کا ایک قاعدہ یہ بھی ہے کہ اَلْاِثْمُ مَاحَاكَ فِيْ صَدْرِكَ کہ گناہ وہ ہے جس سے تمہارے دل میں کھٹک پیدا ہو۔“ (انفاسِ عیسیٰ، جلد۲، صفحہ ۲۷۹)

تصویر بنانے پر وعیدیں: اس تصویر کشی کے گناہ کے کثرت سے پھیل جانے اور عام ہوجانے میں موبائل کا بہت بڑا ہاتھ ہے، جیب جیب میں کیمرہ ہے، ہر جگہ تصویر کھینچ رہے ہیں، اس کے گناہ ہونے کا تصور بھی دلوں سے نکلتا جارہا ہے، اب تو تصویر والے بڑے بڑے پوسٹر اور پینافلکس چھپ رہے ہیں حالانکہ تصویر کا گناہ کبیرہ گناہ ہے، جس پر سخت عذاب کی وعیدیں ہیں:

1 قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذَهَبَ يَخْلُقُ كَخَلْقِيْ فَلْيَخْلُقُوْا ذَرَّةً اَوْ لِيَخْلُقُوْا حَبَّةً اَوْ شَعِيْرَةً۔ (مشکوٰۃ: (قدیمی)؛ باب التصاویر؛ ص۳۸۵) ترجمہ: (حدیثِ قدسی میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے) اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو میری طرح پیدا کرنا (بنانا) چاہے، اسے چاہیے کہ ایک چیونٹی، ایک دانہ یا جَو تو بنا کر دکھائے۔

2 اَشَدُّ النَّاسِ عَذَابًا عِنْدَ اللّٰهِ الْمُصَوِّرُوْنَ۔ (مشکوٰۃ: (قدیمی)؛ باب التصاویر؛ ص۳۸۵) ترجمہ: قیامت کے دن سب سے زیادہ سخت عذاب ان لوگوں کو ہوگا جو تصویر بنانے (کھینچنے) والے ہیں۔

3 اِنَّ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا تَدْخُلُ بَيْتًا فِيْهِ صُوْرَةٌ۔ (صحیح البخاری: (قدیمی)؛ ج ۲ ص۸۸۱) ترجمہ: بیشک فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں تصویر ہو۔

4 مَنْ صَوَّرَ صُوْرَةً فِي الدُّنْيَا كُلِّفَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَنْ يَّنْفُخَ فِيْهَا الرُّوْحَ وَ لَيْسَ بِنَافِخٍ (صحیح البخاری: باب من صور صورۃ؛ ج۲ ص۸۸۱) ترجمہ: جو شخص (جان دار کی) تصویر بنائے گا اللہ تعالیٰ اسے ضرور عذاب دیں گے، یہاں تک کہ وہ اس تصویر میں جان، روح نہ ڈال دے، اور وہ اس میں کبھی جان نہیں ڈال پائے گا۔

5 يَخْرُجُ عُنُقٌ مِّنَ النَّارِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَهَا عَيْنَانِ تُبْصِرَانِ وَ اُذُنَانِ تَسْمَعَانِ وَ لِسَانٌ يَنْطِقُ يَقُوْلُ اِنِّيْ وُكِّلْتُ بِثَلٰثَةٍ بِكُلِّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ وَّ كُلِّ مَنْ دَعَا مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَ بِالْمُصَوِّرِيْنَ۔ (مشکوٰۃ: (قدیمی)؛ ص۳۸۶) ترجمہ: قیامت کے دن دوزخ سے ایک گردن نکلے گی (یعنی آگ کا ایک ٹکڑا گردن کی صورت میں نمایاں ہوگا) جس کی دو آنکھیں ہوں گی جو دیکھیں گی، دو کان ہوں گے جو سنیں گے اور ایک زبان ہوگی جو بولے گی، وہ کہے گی: مجھے تین لوگوں پر مقرر کیا گیا ہے: ہر سرکش ظالم پر، ہر اس آدمی پر جو اللہ کے سوا کسی دوسرے کو پکارتا ہو، اور تصویر بنانے والوں پر۔

تصویر دیکھنا بھی گناہ ہے: چھوٹے معصوم بچے کے نہاتے ہوئے بغیر کپڑوں کی تصویر کھینچ لیتے ہیں، جب یہی بچے بڑے ہوتے ہیں تو لوگ ان کا مذاق اُڑاتے ہیں حالانکہ مفتیانِ کرام فرماتے ہیں جیسے جاندار کی تصویر بنانا جائز نہیں، اسی طرح اس کا دیکھنا بھی جائز نہیں ہے۔ ماں کو اپنے بچے کا فوٹو کھینچنے کا زیادہ دل کرتا ہے کہ نانی کو بھیجوں گی، خالہ کو بھیجوں گی۔ اس طرح عادت خراب ہوتی ہے، جب بچے بڑوں کو تصویریں کھینچتے ہوئے دیکھتے ہیں تو وہ بھی ایسا کرنے لگتے ہیں۔

تصویر کشی کے معاشرتی و خاندانی ضرر: ایسے واقعات بھی ہوئے ہیں کہ بچوں نے ماں، بہن کی تصویریں کھینچیں اور پھر وہ غلط لوگوں کے ہاتھ لگ گئیں جنہوں نے گھر کا چین و سکون برباد کردیا۔ چھوٹے ناسمجھ بچوں کو موبائل فون دے دیتے ہیں کہ اس پر ویڈیو گیم کھیلو، پھر فوٹو کشی شروع ہوجاتی ہے، پھر فلمیں دیکھی جانے لگتی ہیں، بڑھتے بڑھتے تصویر اور ویڈیو دوسروں کو بھی بھیجنے لگتے ہیں، گناہوں کو مزید پھیلاتے ہیں۔ بعض میاں بیوی اپنی خاص حالت کی ویڈیو بنالیتے ہیں، کبھی موبائل بچوں کے ہاتھ لگ گیا تو اب شرم کے مارے بچوں سے آنکھ ملانا مشکل ہوجاتا ہے، اور اگر موبائل گم یا چوری ہوجائے تو تباہی کہاں تک پہنچ جاتی ہے۔ بعض لوگ جو سفر یا دوسرے ملکوں میں ہوتے

ہیں،اپنی بیویوں کو اپنے خاص اوقات کی مووی یا ویڈیو کیمرے کے ذریعہ دکھاتے ہیں،پھر خیالات پکا کر حرام کام میں مبتلا ہوتے ہیں کیونکہ جب جذبات اُبھرتے ہیں اوردور ہونے کی بناء پر خواہش پوری کر نہیں سکتے تو دونوں کا میلان نامحرم کی طرف ہوجاتا ہے،بعد میں روتے پھرتے ہیں کہ بیوی دوسرے کی محبت میں گرفتار ہوگئی ہے۔

خوشی اورغمی میں تصویر کشی: آج کل شادی کی تمام تقریبات کیمرے کے ذریعہ Live باہر ممالک میں رشتے داروں کو بھی دکھاتے ہیں اور گناہوں میں ان کو بھی شریک کرتے ہیں۔ اسی طرح غمی کا موقع ہوتو اس کی بھی ویڈیو بناتے ہیں،حتیٰ کہ مریض کی جان نکل رہی ہے، اس وقت بھی تلاوتِ قرآن نہیں کرتے،مووی بناتے ہیں، اوراس وقت بھی Webcam کے ذریعہ موت کا منظر رشتے داروں کو دکھاتے ہیں، اور جمعہ کے دن جنازہ ہوتو نمازیوں کا فوٹو لے کر بتاتے ہیں کہ اتنے لوگ شریک ہوئے۔ موت سے لے کر غسل،تدفین تک کی مووی بناتے ہیں،میت کی پرانی تصاویر اور اس ویڈیو کو دیکھ دیکھ کر روتے ہیں جس سے غم ہمیشہ تازہ رہتا ہے اوراسی میں گھلتے رہتے ہیں،حالانکہ تین دن کے بعد سوگ منع ہے۔

اپنے گناہوں پر گواہ بنانا: اس موبائل فون نے نئی نسل کو بلکہ ہر عمر والے کو تباہ کردیا ہے، الا ماشاءاللہ۔بعض بظاہر دیندار لوگوں کے موبائل کو جب ان کے انتقال کے بعد کھولا گیا تو اس میں نامحرموں کی تصویریں،عشقیہ میسیج اور گندی فلمیں بھری ہوئی تھیں۔سب کی نظروں میں بے عزت ہوگئے، خاندان والے ہمیشہ کے لئے بدگمان ہوگئے اورمرنے والے نے اپنے گناہوں پر دوسرے لوگوں کو بھی گواہ بنادیا۔

مقدس مقامات بھی تصویر کی لعنت سے محفوظ نہیں: آج کل بعض علاقوں کی مساجد میں سامنے دیوار پر بڑی اسکرین لگی ہوتی ہے جس پر امام وخطیب صاحب کی ویڈیو چلائی جاتی ہے، لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے گھر میں بھی یہ خرافات داخل کر دیں کہ نمازی بجائے اللہ تعالیٰ سے مناجات کے اس میں مشغول رہتے ہیں۔

موبائل پروفائل میں میاں بیوی کا ایک دوسرے کی تصویر لگانا: بعض لوگ پروفائل میں جس کا نمبر ہوتا ہے اس کی تصویر بھی لگاتے ہیں،جب فون آتا ہے تو اس کی تصویر بھی آتی ہے۔کبھی اپنی بیوی،بہن کی تصویر لگاتے ہیں جس پر دوسروں کی نظر پڑتی ہے،کبھی نماز میں اپنے سامنے موبائل رکھتے ہیں جس پر کال آنے پر وہی تصویر آتی ہے۔موبائل گم ہوجائے یا چوری ہوجائے تو وہ بربادی کی الگ داستان ہے۔اگر بیوی کے پاس شوہر کا موبائل ہوتو اس میں شوہر کے دوست کی تصویر آسکتی ہے یا شوہر کے پاس بیوی کا موبائل ہوتو اس میں بیوی کی سہیلی کی تصویر آسکتی ہے۔حضرت حکیم الامت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ:’’اے بیبیو! کبھی بھی شوہر کے سامنے اپنی سہیلی کا ذکر نہیں کرنا،اگروہ عورت اس کے دل میں اُتر گئی تو روتی پھروگی۔اسی طرح شوہر بھی اپنی بیوی کی خوبیوں کا ذکر اپنے دوست کے سامنے نہ کرے۔اس موبائل نے ہمیں ایسی ایسی چیزوں میں تباہ کرکے رکھ دیا ہے جن کی طرف ہمارا دھیان بھی نہیں جاتا۔یہ وہ باتیں ہیں جو ہمیں اصلاحی خطوط اوراسی میل کے ذریعہ معلوم ہوتی ہیں۔‘‘

تصویر کی حرمت دل سے نکل گئی:

اس لئے نفس پر کبھی بھروسہ نہ کریں،ڈیجیٹل اور نان ڈیجیٹل میں پڑکر تصویر کی حرمت دلوں سے نکل گئی،پہلے تو صرف ڈیجیٹل تک معاملہ تھا اب تو بڑی بڑی تصویر پرنٹ میں بھی آنے لگی،لوگ اس کو گناہ ہی نہیں سمجھتے،جس کی وجہ سے توفیقِ توبہ نہیں ملتی،توبہ تو جب کریں جب گناہ کو گناہ سمجھیں۔کم ازکم مفتی صاحب سے نامحرم کی تصویر کے بارے میں شریعت کا حکم معلوم کرلیں۔آج کل تصویر کشی اور ویڈیو کی ہر جگہ اتنی بہتات ہوگئی خصوصاً دینی تقریبات واجتماعات میں کہ بچنا اور روک تھام کرنا مشکل ہوگیا،ایسا لگتا ہے کہ نعوذ باللہ تصویر کشی کو کارِثواب اور ضروری سمجھتے ہیں۔ہمارے اکابر تو جہاں یہ ناجائز کام ہوں، وہاں جاتے ہی نہیں تھے کیونکہ فقہی قاعدہ ہے:

(لَا یَجُوْزُ الْحُضُوْرُ عِنْدَ مَجْلِسٍ فِیْهِ الْمَحْظُوْرُ)۔

(مرقاۃ المفاتیح: (رشیدیہ)؛ج۴ص۲۰۷)

ترجمہ: اس مجلس میں جانا جائز نہیں جہاں گناہ ہوتا ہو۔

موبائل کی وجہ سے عبادات کے ثمرات سے محرومی: بعض لوگ کعبہ شریف میں اور روضۂ اقدس ﷺ کے سامنے ویڈیو اور سیلفی بناتے ہیں، آوازیں بلند کرکے بے ادبی کرتے ہیں۔خدارا ایسی جگہوں پر موبائل فون سے گریز کریں۔عبادات مثلاً حج،عمرہ، بیانات کی مووی بنانے سے عبادات کی حلاوت،اخلاص ختم ہوجاتا ہے اورریا،حبِ جاہ اور شہرت کے مرض میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ آج کل ہمیں اپنی عبادات،

ذکراللہ، اہل اللہ کی صحبت، دین کے شعبوں میں وقت لگانے وغیرہ کا کامل فائدہ اسی لئے حاصل نہیں ہوتا کہ ہم ان تمام شعبوں کو جسم تو دیتے ہیں لیکن دل نہیں دیتے، ہمارا دل موبائل، گندے خیالات، ویڈیو گیم، کارٹون، غلط تعلقات، تصویر کشی میں اٹکا ہوتا ہے۔

تصویر کشی سے اہل اللہ کو اذیت: ایک اللہ والے نے فرمایا کہ دورانِ طواف یا دورانِ بیان جو لوگ میری مووی بناتے ہیں مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے مجھے پتھر مار رہے ہوں۔ آہ! اللہ کے پیارے اپنے رب تعالیٰ سے باتیں کریں اور ہم ان کو پتھر مار رہے ہیں۔ بہت بڑی تعداد میں علماء و مشائخ یا امام صاحبان تصویر نہیں کھنچواتے تو ان کو شدت پسند کہا جاتا ہے، بعض لوگ خفیہ ان کی تصویر بنا کر خوش ہوتے ہیں اور نیٹ پر پھیلاتے ہیں، جس سے اللہ کے ان پیاروں کو اذیت ہوتی ہے۔

صرف اس ایک حرکت میں ہی کتنے گناہ ہیں:
(۱) تصویر کشی کا گناہ، (۲) بلا اجازت کسی کی باتیں اور عمل کو اس طرح نقل کرنے کا گناہ جس سے اس کو تکلیف ہو، (۳) اہل اللہ کو ایذا پہنچانے کا گناہ جبکہ حدیثِ قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

(مَنْ عَادٰى لِيْ وَلِيًّا فَقَدْ اٰذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ) (صحیح البخاری: (قدیمی): کتاب الرقاق؛ باب التواضع؛ ج۲ ص۹۶۳)

ترجمہ: جو کسی ولی اللہ کو دکھ پہنچاتا اور ستاتا ہے اس کے لئے اللہ تعالیٰ کا اعلانِ جنگ ہے۔

یعنی اپنے قول و فعل سے جو اللہ والوں سے دشمنی رکھے یا ان کو ستائے، اس سے اللہ تعالیٰ اعلان جنگ فرمارہے ہیں اور ایسا شخص یقیناً تباہ و رسوا ہو گا، اِلّا یہ کہ توبہ کرلے۔ ستانے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ لوگ شرائط و حدود کو توڑ کر گناہ کر کے مفتیانِ کرام کو بدنام کرتے ہیں کہ فلاں نے تصویر کی اجازت دی ہے حالانکہ وہاں سے کئی فتاویٰ جاری کئے جاچکے ہیں کہ ہمارے فتاویٰ کی آڑ میں بعض لوگ حدود کو توڑ کر ہمیں بدنام کرتے ہیں، ہم نے تصویر کشی کی قطعاً اجازت نہیں دی ہے۔

دینی مقامات پر تصویر کشی سے متعلق دار العلوم کراچی کا فتویٰ:

سوال: دینی اجتماعات، اصلاحی بیانات، ختم بخاری شریف وغیرہ میں اکثر دیکھنے میں آتا ہے کہ لوگ مسجدوں کے اندر ویڈیو بناتے ہیں اور جب انہیں منع کیا جائے تو کہتے ہیں کہ شیخ الاسلام (حضرت) مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے ڈیجیٹل تصویر کے بارے میں تحقیق فرمائی ہے کہ یہ محرم (حرام) تصویر کے زمرے میں نہیں آتی۔ کیا حضرت والا کی تحقیق کا یہ مطلب لینا درست ہے کہ مساجد کے اندر، دینی اجتماعات اور اصلاحی بیانات میں اس کا رواج ہو، اور اسے باقاعدہ مشغلہ بنایا جائے؟ نیز مساجد اور دینی اجتماعات میں موویز اور ویڈیو بنانے کی شرعی حیثیت واضح فرمائیں۔ المستفتی رشید احمد، صوابی

جواب: ڈیجیٹل تصویر کے بارے میں حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم کے موقف کا مطلب یہ ہے کہ اس پر تصویر کے احکام جاری نہیں ہوں گے، لیکن اس کا یہ مطلب لینا ہرگز درست نہیں کہ ڈیجیٹل تصویر کے استعمال میں اگر شرعاً دیگر مفاسد پائے جائیں تب بھی اس کا استعمال درست ہوگا بلکہ ایسی صورت میں اگرچہ اس پر تصویر کے احکام جاری نہ ہوں لیکن ان مفاسد کے پائے جانے کی وجہ سے اس کا استعمال ممنوع قرار دیا جائے گا۔ صرف اس بات کا سہارا لیتے ہوئے کہ اس پر تصویر کے احکام جاری نہیں ہوتے، اس کے استعمال کے مفاسد کو نظر انداز کرنا درست نہیں ہے۔ مساجد اور دینی اجتماعات میں ڈیجیٹل کیمرہ کے ذریعہ تصویر اور ویڈیو بنانے میں بھی بہت سے مفاسد ہیں، لہٰذا ان مفاسد کی بناء پر ایسے اجتماعات میں تصاویر اور ویڈیو بنانا درست نہیں۔ وہ مفاسد یہ ہیں:

(۱) یہ مسجد کے ادب واحترام اور تقدس کے خلاف ہے۔ (۲) اس جیسی تقریبات میں ویڈیو اور تصاویر بنانے سے لوگ حقیقتاً (تصویر) کھینچنے اور دیکھنے کو جائز سمجھنے لگ جائیں گے۔ اس طرح ان کے دلوں سے تصویر کی حرمت نکل جائے گی، جو کہ ناجائز ہے۔ (۳) دینی تقریبات پر اس طرح تصاویر اور ویڈیو بنانے سے عام لوگ ناجائز تقریبات پر بھی اس کو جائز سمجھنے لگ جائیں گے۔ (۴) دینی تقریبات کی ویڈیو اور تصاویر دیکھنے کی آڑ میں غلط اور فحش قسم کے افعال پر مشتمل تقریبات کو دیکھنے کی راہ کھل جائے گی، جو کہ جائز نہیں۔ (۵) اسلامی تقریبات کی ویڈیو اور تصاویر کے استعمال سے ان کے ناجائز استعمال کی حوصلہ افزائی ہوگی، جو کہ درست نہیں۔ (ماخذہ تبویب: ۸/۱۴۴۴) لہٰذا ان مفاسد کے پائے جانے کی وجہ سے اسلامی تقریبات پر مذکورہ طریقے سے تصویر اور ویڈیو بنانے سے اجتناب کرنا لازم ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ محمد عاطف

الجواب صحیح: (مفتی) محمد یعقوب، (مفتی) محمود اشرف عثمانی، (مفتی) اصغر علی ربانی (فتویٰ نمبر: ۱۱/۱۵۱۴، ۲۰ ربیع الثانی ۱۴۴۴ھ)

(جاری ہے)

رزق کی تلاش اور اسلام

سہیل بشیر کار

اللہ رب العزت نے یہ دنیا قانونِ اسباب پر قائم رکھی ہے۔ یہاں بندے کا کام جدوجہد کرنا ہے، دین اسلام فطرت پر قائم ہے۔ ایسا ہو ہی نہیں سکتا کہ اسلام کی تعلیمات عقل اور فطرت سے ٹکراتی ہوں۔ عقل وفطرت کا تقاضا ہے کہ انسانی معاشرے دوڑ دھوپ کریں، تا کہ وہ اپنی اور اپنے اہل وعیال کی ضروریات پوری کر سکیں۔ لاریب کہ دین اسلام بندہ مومن کے اندر اعتدال پیدا کرتا ہے۔ ایک طرف وہ حلال وحرام کی تمیز سکھاتا ہے؛ دوسری طرف وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ بندہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے نہ بیٹھے، دنیا میں جتنے بھی مذاہب ہیں، ان کا مشترکہ کام ہے کہ بندہ کا تعلق اپنے رب سے جڑ جائے، وہ لوگوں کو اپنے اپنے معبد خانوں کی اور بلاتے ہیں۔ اس کے برعکس اسلام کا امتیاز ہے کہ وہ اللہ کے ذکر کے لئے مسجد کی طرف بلاتا ہے اور پھر کہتا ہے کہ اب جبکہ عبادات کی تکمیل ہو چکی تو نکلو اور اپنے معمولات نپٹاؤ۔ نماز جمعہ کو دین اسلام میں غیر معمولی اہمیت ہے، اس دن جہاں وہ لوگوں کو دوپہر میں مسجد میں بلاتا ہے؛ وہیں نماز ختم کرنے کے بعد کہتا ہے کہ اب منتشر ہو جاؤ، پھیل جاؤ اور اپنے اپنے کاموں میں لگ جاؤ، اور ضروریات سامان کے لیے جدوجہد کرو، اتنا ہی نہیں رزق کی تلاش کو وہ اپنا فضل قرار دیتا ہے۔ (جمعہ 4) اور دوسری جگہ معاشی جدوجہد کو لفظِ 'خیر' سے موسوم کرتا ہے۔ (البقرہ 215) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ 'حلال رزق کی تلاش فرض ہے باقی فرضوں کے بعد۔' عام طور پر مذاہب کا یہی تصور ہے کہ ہمیں اپنا وقت دنیا کے معمولات میں کم سے کم گزارنا چاہیے۔ دورِ رسالت میں اس سلسلے میں رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کی تربیت کیسے کی، اس کی چند مثالیں پیش خدمت ہیں:

ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ کے ساتھ بیٹھے تھے کہ وہاں سے ایک شخص گزرا۔ وہ معاشی دوڑ میں خوب لگا ہوا تھا؛ تو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے کہا: کاش! یہ اتنی محنت دین کے لیے کرتا۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر یہ شخص اس وجہ سے محنت کر رہا ہے کہ کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلانے پڑیں یا اپنے گھر والوں کی دیکھ بھال کریں تو یہ بھی عبادت ہے۔ اتنا ہی نہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دو ہی انسانوں پر رشک کیا جا سکتا ہے۔ ان میں ایک وہ جس کو خوب مال دیا گیا اور وہ اللہ کی راہ میں خوب خرچ کرے۔

اسلام کی تعلیمات اس سلسلے میں بہت واضح ہیں اور رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سلسلے میں لوگوں کی رہنمائی کی۔ آپ نے جب مدینہ ہجرت کی تو جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی کا قیام عمل میں لایا، وہیں مدینہ مارکیٹ کی بنیاد بھی رکھی۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو کاروبار کے لیے ترغیب دیتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک شخص نبی کے پاس ہاتھ پھیلائے ہوئے حاضر ہوا۔ آپ نے پوچھا: 'کیا تمھارے گھر میں کچھ نہیں ہے؟' اس نے کہا کیوں نہیں، ایک چٹائی ہے جس کا کچھ حصہ بچھاتے اور کچھ حصہ اوڑھ لیتے ہیں، اور پیالہ ہے جس میں پانی پیتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: دونوں میرے پاس لے آؤ۔ وہ لے آیا۔ آپ نے دونوں چیزیں لیں اور کہا:

''ان دونوں چیزوں کو کون خریدے گا۔''

ایک صحابی نے کہا: ''میں ایک درہم میں لوں گا''، آپ نے دو یا تین بار فرمایا کہ ایک درہم سے زیادہ میں کون لے گا، ایک آدمی نے کہا: میں دو درہم میں لے لوں گا، آپ نے وہ دونوں چیزیں اسے دیں اور دونوں درہم اس شخص کو دے دیے اور اسے کہا: ایک درہم سے کھانے کی چیزیں خرید کر اپنے گھر دے آؤ اور ایک درہم سے کلہاڑی کا پھل خرید کر میرے پاس لاؤ، وہ لے آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے اس میں دستہ لگایا، پھر اس سے فرمایا: جاؤ لکڑی کاٹ کر بیچو، اور میں تمھیں پندرہ دن تک نہ دیکھوں۔' وہ آدمی گیا اور لکڑی کاٹ کر بیچنے لگا، پھر جب وہ آیا تو دس درہم کما چکا تھا، جس سے کپڑے اور کھانے کی اشیا خرید لی تھیں، تب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''یہ اس سے بہتر ہے کہ تم قیامت کے دن اس حال میں آؤ کہ بھیک مانگنے کا نشان تمھارے چہرے پر ہو۔ بھیک مانگنا ان تین کے علاوہ کسی کے لیے درست نہیں ہے: ''جو فاقے سے بدحال ہو، یا قرضے میں دبا ہوا ہو یا خون بہا ادا کرنے کے لیے پریشان ہو۔'' (ترمذی)

رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حلال کمائی

نیک بندوں کا بہترین سرمایہ ہے۔(احمد،طبرانی) اتنا ہی نہیں قرآن مجید میں زکوٰۃ وانفاق کا مقام اتنا بلند بتایا گیا ہے اور اس کا اتنی کثرت سے ذکر ہے کہ ہر مسلم کے دل میں مال دار بن کر زکوٰۃ دینے اور زیادہ سے زیادہ انفاق کرنے کی خواہش کا پیدا ہونا یقینی بات ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔ اسلام کے نزدیک اگر کوئی شخص بیوی بچوں پر مال خرچ کرے تو وہ بھی صدقہ میں شمار ہوتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں کچھ لوگ مسجد کے ایک گوشہ میں اس خیال سے بیٹھے تھے کہ حصولِ رزق کے لیے انھوں نے ابھی ابھی دعا کی ہے۔اس صلے میں اللہ ان کی روزی وہیں پہنچائے گا۔حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب انھیں دیکھا اور ان کی سرگزشت سنی تو اپنا کوڑا تان کر فرمایا کہ تم میں سے کوئی روزی روٹی کے لیے غافل نہ ہو آسمان سے سونا چاندی نہیں برستا۔ پھر انہوں نے سورہ جمعہ آیت 10 کی تلاوت کی۔حضرت امام احمد ابن حنبلؒ نے اس شخص کو پرلے درجے کا جاہل کہا ہے جو گھر یا مسجد میں اس خیال سے بیٹھا ہو کہ مجھے میرا رزق مل جائے گا۔ یہ دنیا دارامتحان ہے۔خود محنت کرکے کمانے کو سراہا گیا ہے؛ چناں چہ بخاری شریف کی ایک روایت میں ہے:تم میں کوئی اپنے ہاتھ کی کمائی سے بہتر کوئی چیز نہیں کھاتا، اور اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ سے کما کر کھاتے تھے۔اسلام اس بات کی کبھی ہمت افزائی نہیں کرتا کہ انسان بیکار بیٹھا رہے۔ وہ چاہتا ہے کہ امت مسلمہ کا ہر فرد معاشرہ کے لیے potential ہو، اس سلسلے میں رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کی ہمت افزائی کرتے تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''تم میں سے کوئی اپنی رسیاں لے، پہاڑ پر جائے، اپنی پیٹھ پر لکڑیوں کا بوجھ لاد کر لائے، اسے بیچے، اور اس کی قیمت سے اپنی ضروریات پوری کرے، یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلائے، وہ اسے دیں یا منع کر دیں۔'' (بخاری) اتنا ہی نہیں بلکہ آپ کی دعا میں یہ بھی شامل تھا کہ آپ فقر و فاقہ سے نجات کی دعا کرتے: ''اللہ! میں کفر اور فقر سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔'' (ابوداؤد) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ فقر؛ کفر تک پہنچاتا ہے۔حضرت ذوالنون مصریؒ نے فرمایا: ''بے صبرے اور فاقہ کش بدترین کافر ثابت ہوتے ہیں۔'' امام ابوحنیفہؒ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: ''جس کے گھر میں کھانے کو نہ ہو اس سے مشورہ نہ لو۔'' ظاہر ہے اس کے خیالات پراگندہ ہونگے اور وہ صحیح مشورہ نہیں دے سکتا ہے، یتیم کے مال کی حفاظت کی سخت تاکید کی گئی ہے، اس کے باوجود ولی کو ہی حکم دیا گیا کہ وہ یتیم کے مال کو invest کریں تاکہ اس کو زکوٰۃ نہ کھائے، اب جو دین یتیم کے مال کو بھی invest کی ترغیب دیتا ہو؛ وہ کیسے سرمایہ دار کو ترغیب نہ دے۔رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف معاشی وسائل کی تعریف کی ہے۔ سچے تاجر کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ایماندار، امانتدار و راستباز تاجر کا حشر انبیاء، صدیقین، شہداء کے ساتھ ہوگا۔'' (ترمذی) زراعت کے بارے میں فرمایا: ''جب مسلمان کاشت کاری کرتا ہے، یا کوئی پودا لگاتا ہے اور پھر اس سے کوئی پرندہ، چوپایہ یا انسان مستفید ہوتا ہے تو اس کی طرف سے یہ عمل صدقہ تصور کیا جاتا ہے۔'' (بخاری) دستکاری کے بارے میں فرمایا: ''کسی آدمی نے اپنے ہاتھوں کی کمائی سے زیادہ لذیذ کھانا نہیں کھایا ہوگا۔'' (بخاری) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مشہور قول ہے کہ مجھے خدا کی راہ میں لڑتے ہوئے جان دینے کے بعد جس دوسری موت کی تمنا ہے وہ یہ کہ حصولِ رزق اور فارغ البالی کی تلاش میں میری موت واقع ہو۔مشہور تابعی ابراہیم نخعیؒ کہتے ہیں کہ میرے نزدیک امانت دار تاجر عبادت گزار صوفی سے بہتر ہے۔(اسلام میں غریبی کا علاج از علامہ یوسف القرضاویؒ،ص:82) علامہ یوسف القرضاوی کہتے ہیں کہ اسلامی معاشرہ میں شریک حکام سے لے کر ادنیٰ سے ادنیٰ فرد تک ہر ایک پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ بھوک اور افلاس کا مقابلہ کریں اور اس مقصد کے لیے سرمائے، یا ہمہ قسم کی مادی اور اخلاقی قوتوں کا استعمال کریں۔''

بدقسمتی سے امت مسلمہ میں توکل کے غلط مفہوم کی وجہ سے معاشی تگ و دو کو مستحسن نہیں سمجھا جاتا۔عشرہ مبشرہ میں 2 اصحاب ایسے تھے جن کی مالیت میں بہت زیادہ مال تھا۔ مالدار ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو دنیا میں ہی جنت کی بشارت دی، امام اعظم امام ابوحنیفہؒ کی مالی حیثیت بہت اونچی تھی لیکن بدقسمتی سے دین کے محدود تصور کی وجہ سے ہمارے ہاں بگاڑ آیا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ امت مسلمہ مل کر پلان بنائے تاکہ تجارت کے نئے مواقع پیدا ہوں، گھر میں بیٹھی خواتین کے لیے بھی؛ باہر یا گھروں میں ہی روزگار کے مواقع ڈھونڈنا ہماری ترجیحات میں ہونا چاہیے، تاکہ مسلمان دینے والے بن سکیں نہ کہ ہاتھ پھیلانے والے؛ قرنِ اول کا معاشی ماڈل یہی تھا۔☆☆

امام العصر حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ

مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی

امام العصر حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے متعلق عربی عالم شیخ عبدالفتاح ابوغدہؒ لکھتے ہیں:

آپ مسند الوقت، المحدث المفسر، الفقیہ الدولی، لمتکلم النظار الصوفی البصیر، المورخ الادیب، الشاعر، اللغوی، النجاسۃ النقادہ، المحقیق الموہوب الشیخ، الامام، محمد انور شاہ کشمیریؒ ابن شیخ معظم شاہ، ابن الشاہ عبدالکبیر النرودی الکشمیر یؒ۔ آپ کے والدین بغداد سے ہند کی طرف آئے، پہلے ملتان آئے، پھر لاہور تشریف لے گئے۔ پھر ان میں سے بعض نے کشمیر کا سفر اختیار کیا۔ جہاں مستقل قیام کیا۔

آپ ۲۷/ شوال المکرم ۱۲۹۲ھ بستی ودوان جو کشمیر میں ایک شہر ہے۔ کشمیر دنیا میں جنت نظیر ہے میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ایک صالح اور اللہ والے انسان سلسلہ سہروردیہ کے شیخ طریقت تھے۔ والدہ محترمہ بھی صالحہ اور عابدہ خاتون تھیں، اپنے زمانہ کی تقویٰ، طہارت، عبادت میں بے نظیر خاتون تھیں، جب آپ کی عمر مبارک پانچ سال ہوئی تو آپ نے اپنے والد محترم سے قرآن پاک اور چند رسائل پڑھے۔ دو سال والد محترم کی تربیت میں رہے۔ پھر آپ نے فارسی شیخ سعدی شیرازی، نظامی، امیر خسرو دھلوی، عارف محقق جامیؒ، محقق جلال الدوانی پڑھیں، اس سے آپ کو فارسی نظم میں درک حاصل ہوگیا، نیز فارسی نظم و نثر میں بھی مہارت حاصل ہوگئی۔ آپ کے والد محترم بھی فارسی نظم و نثر کے ماہر عالم تھے، ان کی تربیت نے آپ کو کندن بنادیا، بقول شیخ بنوریؒ آپ نے پانچ سال فارسی پڑھی، آپ کے شاگرد مولانا مشیت اللہ بجنوریؒ کے بقول پورا ہفتہ دن رات تعلیم و تعلم اور مطالعہ میں گزار دیتے۔ سوائے جمعرات کے باقی ایام نیند نہیں فرماتے تھے، جب نیند کا غلبہ ہوتا بیٹھے بیٹھے ستا لیتے۔ آپ سبق کے دوران ایسے ایسے سوال کرتے کہ استاذ کو بھی حیران و پریشان کر دیتے تو آپ کے اساتذہ فرماتے یہ اپنے زمانہ کا رازی وغزالی بنے گا۔ جب اپنے اساتذہ کشمیر سے فارغ ہوئے تو آپ ۱۳۰۷ھ میں ہزارہ میں تشریف لائے، تین سال یہاں کے علمائے کرام سے منطق، فلسفہ اور ہیئت کی کتب پڑھیں۔ آپ بارہ سال کی عمر میں کشمیر میں فتویٰ دیتے تھے۔ آپ نو سال کی عمر میں نحو وفقہ کی شروحات کا مطالعہ فرما چکے تھے۔

پھر آپ ازہر ہند دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے۔ آپ نے شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ، تلمیذ رشید حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، بحر معارف نانوتویؒ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کئے۔ المحدث الکبیر شیخ محمد اسحاق کشمیریؒ سے علومِ احادیث نبویہ کی تحصیل کی۔ آپ نے بخاری، ابوداؤد، جامع ترمذی، ہدایہ اخیرین، شیخ العالم حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ سے پڑھیں۔ صحیح مسلم، سنن نسائی، الصغریٰ، سنن ابن ماجہ شیخ مولانا محمد اسحاق کشمیریؒ سے پڑھیں۔ ۱۳۱۳ء میں دارالعلوم دیوبند سے سند فراغ حاصل کی۔ فراغت کے بعد دہلی کے مدرسہ عبدالرب میں چند ماہ پڑھایا۔

دہلی کے علمائے کرام کی فرمائش پر آپ نے دہلی ''جامعہ امینیہ'' قائم کیا اور یہاں آپ نے کتب حدیث، تفسیر، فقہ، علم بیان اور معقول کی بڑی بڑی کتابیں پڑھائیں، اور جامعہ امینیہ کو چہار دانگ عالم شہرت ہوئی، پھر تین سال کشمیر میں گزارے اور وہاں ''مدرسہ فیض عام'' شروع کیا اور اہل کشمیر کی اصلاح کی کوششیں فرمائیں اور انہیں قرآن وسنت کے علوم سے بہرہ ور کیا۔

۱۳۲۳ھ میں سفر حج کیا اور زیارت رسول اللہ سے اپنے قلب وجگر کو ٹھنڈا کیا۔ مدینہ طیبہ میں شیخ الفاضل حسین الحسیر سے علوم عالیہ کی تحصیل کی اور اجازت احادیث لی، نیز حرمین شریفین کے شیوخ وعلمائے کرام سے بھی بہت دینی مسائل سے متعلق تحصیل علم کرتے رہے۔

اس دوران مدینہ طیبہ کے اعوان وانصار، علماء نے رشتہ ازدواج میں منسلک ہونے کی خواہش کا اظہار کیا اور آپ بھی مستقل طور پر مدینہ

طیبہ میں قیام پذیر ہونے کے لئے تیار ہو گئے۔ تاہم اپنے استاذ، محسن و مربی، حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کی زیارت و ملاقات کے لئے دیوبند تشریف لائے اور حرمین شریفین میں رہائش و قیام و ہجرت کے ارادہ کا اظہار کیا۔ شیخؒ نے اس عزم کے فسخ کا حکم دیا اور دارالعلوم میں تدریس و رہائش کا حکم دیا اور دارالعلوم میں آپ کی قابلیت، صلاح و تقویٰ کی وجہ سے ۱۳۲۵ھ میں صحیح مسلم، نسائی شریف، سنن ابن ماجہ ابتدائی سال میں یہ کتب عظیمہ تجویز فرمائیں۔ ۱۳۳۲ھ تک آپ مدرس کی حیثیت سے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ حضرت شیخ الہندؒ نے ۱۳۳۳ھ میں حج بیت اللہ کا ارادہ فرمایا اور آپ کو صدرالمدرسین مقرر فرمایا۔ حضرت الشیخ گرفتار ہو کر مالٹا میں قید ہو گئے، تو الشیخ الانور بیس سال صدرالمدرسین کے منصب پر فائز رہے، اور بخاری و مسلم سمیت بڑی بڑی کتابیں پڑھاتے رہے۔ اس دوران پھر آپ نے ہجرت کا ارادہ فرمایا تو دارالعلوم دیوبند کے مہتمم اور دوسرے ذمہ داروں نے آپ کا نکاح ایک نیک صالح خاندان سیادۃ فاطمیہ میں کر دیا تو شادی پھر اولاد ہجرت کے راستہ میں رکاوٹ بن گئیں۔ ایک عرصہ تک آپ کا کھانا مہتمم صاحب کے گھر سے آتا رہا۔ اور انہوں نے آپ کی شادی کے بعد اہل وعیال اور آپ کی رہائش کا انتظام کر دیا۔

مدرسہ عالیہ کلکتہ سے ۸۰۰ روپے تنخواہ اور صدرالمدرسین کی آفر ہوئی، جبکہ دارالعلوم سے آپ کو پچاس روپے سے بھی کم تنخواہ ملتی تھی، لیکن آپ نے دارالعلوم کی تھوڑی تنخواہ پر رہتے ہوئے مدرسہ عالیہ کلکتہ کی پیشکش کو ٹھکرا دیا۔ اور آپ اسی ''قوت لایموت'' پر اپنی زندگی کا تیسرا حصہ گزار دیا۔ دیوبند میں آپ سے ہزاروں اصاغر و اکابر نے علمی استفادہ کیا اور اپنے زمانہ کے محدث، مفسر، فقیہ اور مفتی بنے۔

نیز آپ نے دارالعلوم دیوبند سے فتنہ باغیہ قادیانیت کے خلاف درس و تدریس، دعوت و تبلیغ اور تصنیف و تالیف کے ذریعہ اس ضال و مضل فتنہ کا قلع قمع کرنے کے لئے اپنی تمام تر صلاحیتیں وقف کر دیں۔ نیز آپ نے علماء دینی اسکالر، اخبارات و جرائد کے مدیران کو بھی اس گمراہ طبقہ سے متعلق مواد مہیا کیا اور امت مسلمہ کے ایمان کی حفاظت کے لئے تمام ممکنہ ذرائع استعمال کئے۔

۱۳۴۶ھ میں آپ کو نواب آف ڈھاکہ کی طرف سے ایک ہزار روپیہ ماہانہ مشاہرہ کی پیشکش ہوئی جو آپ نے ٹھکرا دی۔

۱۳۴۶ھ میں ڈابھیل تشریف لے گئے۔ تدریس کے علاوہ مجلس علمی قائم کی، مجلس علمی نے آپ کی زندگی اور وفات کے انتہائی قابل قدر کتب شائع کیں۔ جو چالیس کے قریب تھیں، جنہیں شرق و غرب میں تحسین کی نگاہ سے دیکھا گیا۔ آپ نے پانچ سال ڈابھیل میں تدریس، تصنیف و تالیف، وعظ و تذکیر کے ذریعہ اس علاقہ کے مسلمانوں کو قادیانیت کے دجل وفریب سے بچایا۔ زندگی کے آخری دور میں آپ پر رقت طاری ہوگئی۔ آپ اپنے درس و بیان میں خود بھی روتے، طلبا اور سامعین کو بھی رلاتے۔ نیز آپ کو ڈابھیل کی آب و ہوا راس نہ آئی اور آپ بستر علالت پر پڑ گئے اور ڈابھیل سے دیوبند واپس تشریف لائے۔ ۳ر صفر المظفر ۱۳۵۲ھ پیر کے دن علم وعمل کا یہ آفتاب و ماہتاب غروب ہو گیا اور دارالعلوم دیوبند میں آپ کی نماز جنازہ ادا کی گئی، جس میں جم غفیر نے شرکت کی، جن کی تعداد اللہ پاک کو معلوم ہے۔ آپ کی وفات پر آپ کے تلامذہ نے اردو، عربی اور دوسری زبانوں مرثیے لکھے اور آپ کو زبردست خراجِ عقیدت پیش کیا، جیسے آپ کے شیخ و مربی حضرت شیخ الہندؒ کی وفات پر مرثیے لکھے گئے۔ شیخ عبدالفتاحؒ نے اپنے مقدمہ میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد محمد یوسف بنوریؒ سابق امیر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان، شیخ الحدیث مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور، مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ نے نظم کے ذریعہ آپ کو جو خراج تحسین پیش کیا تھا کو تحریر فرمایا۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے فرمایا: ''آپ کا وجود اسلام کی حقانیت کی دلیل ہے۔'' شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے فرمایا: ''فقید المثال، عدیم النظیر، بقیۃ السلف، حجۃ الخلف، البحر المواج (موجیں مارنے والا سمندر)، السراج الوہاج (چمکتا ہوا سورج) اس دور میں آنکھوں نے آپ جیسا کوئی انسان نہیں دیکھا۔''

مولانا سید بدر عالم میرٹھیؒ نے فرمایا جو آپ کی خدمت میں دس سال رہے، فرمایا: ''حفظ میں آپ امام ذہبیؒ کے مقابلہ میں ہیں۔ حافظہ وضبط میں آپ ابن حجرؒ سے کم نہیں، دقت نظر، عدالت میں آپ علامہ ابن دقیق العید کے مقابلہ میں ہیں، شعر و شاعری میں بختری کے مشابہ ہیں۔''

تصنیف و تالیف: ردِ قادیانیت پر آپ کی

عقیدۃ الاسلام فی حیات عیسیٰ علیہ السلام، تحیۃ الاسلام فی حیات عیسیٰ علیہ السلام، اکفار الملحدین، خاتم النبیین اور التصریح بما تواتر فی نزول المسیح شاہکار کتابیں ہیں۔ نیز آپ کی عادت مبارکہ مطالعہ کی تھی۔ آپ نے فلسفہ، طبعیہ، فنون الٰہیہ۔ کتب الحقائق والتصوف، علوم الغریبہ ازقسم نجوم، رمل، جفر، موسیقی، قیافہ، فنون الہندیہ والریاضی نیز فیض الباری علیٰ صحیح البخاری چار عظیم جلدوں میں یہ آپ کی املائی کتاب ہے۔ مستقل تصنیف نہیں۔ العرف الشذی علیٰ جامع الترمذی، ۴۸۸ صفحات مرتبہ مولانا محمد چراغ گوجرانوالہ، سنن ابوداؤد پر آپ کی امالی، امالی صحیح مسلم جو آپ کے شاگرد مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ نے دوران درس تحریر کی۔ ابن ماجہ پر حاشیہ جو آپ کے شاگرد مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ نے تحریر کیا۔

مشکلات القرآن ۲۷۸ صفحہ، التعلیق الصبیح علیٰ مشکوٰۃ المصابیح جو آپ کے شاگرد مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ نے تحریر کی جو گم ہوگئی۔ نیز آپ کی تصانیف بیس کے قریب ہیں جس کی فہرست التصریح میں دیکھی جاسکتی ہے۔ نیز یہ کتاب جو شیخ عبدالفتاح ابو غدہؒ نے تخریج کی ہے۔ پچھتر احادیث نبویہ تھیں۔ شیخ ؒ کے تتمہ و استدراک نے دس احادیث جمع کیں۔

راقم نے شیخ کے مقدمہ کا خلاصہ اپنے الفاظ میں پیش کردیا ہے۔ اسے نہ ترجمہ کہا جاسکتا ہے نہ ان کے الفاظ کی تعبیر۔ بس راقم نے اندازہ کیا کہ شیخ ؒ کیا فرمانا چاہتے ہیں، اپنے ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں ذکر کردیئے ہیں، اس کا داعیہ اس لئے پیدا ہوا کہ راقم ہر سال تخصص فی الفقہ وختم نبوت کے طلبا کو سناتا ہے۔ منصف کتاب کی علمی شخصیت سے متعلق شیخؒ کی گفتگو کا خلاصہ پیش کردیا۔ اللہ پاک قبول ومنظور فرمائیں۔

☆☆ .... ☆☆

بقیہ:.... آپ کے مسائل

اس کے علاوہ اور بھی کئی طرح کے کلمات ہیں، جن میں اللہ تعالیٰ سے ایک طرح سے دعا ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ سے مدد مانگی جاتی ہے کہ یا اللہ! اس بیماری کو دور فرمادے۔ لہٰذا اس طرح کی جھاڑ پھونک نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے اور جائز ہے۔ جہاں تک تعویذ لکھنے کا تعلق ہے تو چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُمیّ تھے، اس لئے آپ سے تعویذ لکھنا تو ثابت نہیں، البتہ بعض صحابہ کرامؓ سے ثابت ہے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ وہ کچھ آیات لکھ کر بچوں کی گردن میں تعویذ کے طور پر ڈال دیا کرتے تھے۔ (سنن ابی داؤد باب کیف الرقیٰ)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ وہ کسی حاملہ کی ولادت کے وقت ایک طشتری پر کچھ کلمات لکھ کر اس کو پلایا کرتے تھے، تاکہ اس کی ولادت میں سہولت اور آسانی ہوجائے۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ، ص:۶۴، ج:۱۹)

اسی لئے علماء کرام فرماتے ہیں کہ اصل چیز تو جھاڑ پھونک ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے۔ اگر کسی کو وہ الفاظ پڑھنے مشکل ہوں یا وہ پڑھ نہ سکتا ہو یا کوئی پڑھنے والا موجود نہ ہو تو پھر ایسی صورت میں وہ کلمات تعویذ کی شکل میں لکھ کر اس کو دے دیئے جاتے ہیں، یہ فی نفسہ جائز ہے۔

باقی حدیث میں تمائم کی ممانعت آئی ہے اور جسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شرک قرار دیا ہے، اسی وجہ سے بعض حضرات تعویذ ڈالنے کو بھی شرک یا کم از کم گناہ سمجھتے ہیں، لیکن یہ خیال غلط ہے۔ تمائم جس کی حدیث میں ممانعت آئی ہے وہ تعویذ سے بالکل مختلف چیز ہے۔

علامہ شوکانیؒ کے مطابق یہ سیپ کی بنی ہوئی کوڑیاں ہوتی تھیں جو جاہلیت میں عرب لوگ بچوں کے گلے میں یہ سمجھ کر ڈالتے تھے کہ یہ کوڑیاں بذات خود بچے کو بیماری سے بچالیں گی۔ چونکہ ان کا یہ عقیدہ مشرکانہ ہوتا تھا، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا۔ تعویذ میں اس کے برعکس اللہ تعالیٰ کا کلام یا اللہ تعالیٰ سے دعا ہوتی ہے، جس میں کسی شرک کا شائبہ نہیں ہوتا۔ البتہ اگر اس میں بھی مشرکانہ کلمہ ہو تو بلاشبہ وہ شرک ہوگا۔''

(ماخوذ از ''آسان تفسیر قرآن'' حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ ص:۳۹۱، ج:۱)

خوشخبری

گوادر سٹی میں

عالمی مجلس تحفظِ ختمِ نبوت کے زیرِ اہتمام

جامع مسجد خاتم النبیین ومرکزِ ختمِ نبوت گوادر
کے تعمیری کام کا سلسلہ جاری ہے

اہلِ خیر حضرات متوجہ ہوں!

محافظینِ ختمِ نبوت سے اپیل کی جاتی ہے کہ اپنے لیے اور اپنے اہلِ خانہ لواحقین کی طرف سے جامع مسجد خاتم النبیین و مرکزِ ختمِ نبوت گوادر کی تعمیرات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں۔

محاذِ ختمِ نبوت کے ساتھ تعاون نبی پاک ﷺ کی شفاعت کا بہترین ذریعہ ہے

AALMI MAJLIS TAHAFFUZ KHATM-E-NUBUWWAT

Whatsapp: 03009899402

Easy Paisa: 03333060501

Account # 0010010964710018

IBAN # PK45ABPA0010010964710018

Allied Bank Binori Town Branch Code: 0159 Karachi.